حرمتِ ربا

اور

غیر سودی مالیاتی نظام

ڈاکٹر محمود احمد غازی

۲۹
ح

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام

ڈاکٹر محمود احمد غازی

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

فہرست عنوانات

پیش لفظ

قرآن پاک تو سچائیوں کا مرقع اور مجموعہ ہے لیکن ایک چھوٹی سی آیت جس نے بار بار قرآن کی حقانیت کے یقین کو عین الیقین کا درجہ دیا ہے

عسی ان تکرھو شیاً وھو خیر لکم

(خبردار تم جس چیز سے دل برداشتہ ہو خود اس میں تمہارے لیے بڑا خیر ہے۔) سود کی حرمت ہمارے لیے ایک بدیہی حقیقت ہے اور الحمدللہ ہمارے دل و دماغ پر کبھی بھی شک اور تردد کا کوئی سایہ نہیں پڑا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مغربی فکر کے غلبہ کے اس دور میں سینکڑوں ہزاروں اذہان ایسے ہیں جو پروپیگنڈے کی قوت سے متاثر اور نتیجتاً ذہنی پریشانی اور روحانی اضطراب میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ آج خود ہمارے ملک میں ایک طبقہ حکومت کے کچھ عناصر کی سرپرستی میں سود کے مسئلہ پر جو غلط فہمیاں پیدا کر رہا ہے اور دلوں میں جو کانٹے چبھو رہا ہے اس پر ہم کتنے ہی کبیدہ خاطر کیوں نہ ہوں لیکن اس بحث میں ایک خیر کا پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ لٹریچر جنم لے رہا ہے جو اعتراضات کا موثر جواب فراہم کرتا ہے اور جس میں نظری اور عملی دونوں نقطۂ ہائے نظر سے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ وقت کے چیلنج کا جواب تو اسی فکری اور عملی کشمکش میں سے نمودار ہوتا ہے اور اس پہلو سے داستان حیات کی تعمیر و تشکیل میں ابلیس کا کردار بھی قابلِ فراموش نہیں

قصہ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو

سود کے مسئلہ پر بحث کے دوران جو چیزیں حال ہی میں پیش کی گئی ہیں۔ ان میں معروف محقق اور ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر محمود احمد غازی کی وہ تقاریر خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں جو انہوں نے مختلف علمی مذاکرات میں کی ہیں اور جن میں ایک طرف سود کے تصور کو بڑی صحت اور علمی

دیانت کے ساتھ بڑے مؤثر دلائل کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے اور دوسری طرف اسلامی خطوط پر بچت، قرض اور سرمایہ کاری کا ایک واضح نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تاریخ کا خلاصہ بھی ہے اور مستقبل کے لیے نئی راہوں کی نشاندہی بھی۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے ہماری درخواست پر ان تقاریر کو ایک مبسوط تحریر کی شکل میں مرتب کر دیا ہے اور اب انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اس مختصر مگر جامع تحریر کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ طالبان حق کے لیے اس مختصر کتاب میں بڑی روشنی اور رہنمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ برادرم غازی صاحب کی اس مفید خدمت کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ دوسروں کی رہنمائی کا سامان فرمائے۔

اسلام آباد
۳ فروری ۱۹۹۳ء

خورشید احمد

۱

تمہید

نحمده و نصلي علی رسوله الکریم و علی اله و أصحابه أجمعین

حرمت ربا، بلا سود بنکاری اور ربا اور غرر وغیرہ سے پاک مالیاتی نظام کے مسئلہ نے دنیائے اسلام میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً ایک نہایت اہم اور فوری مسئلہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب جدید دنیائے اسلام میں نفاذ شریعت کی پوری مہم کی کامیابی کا دار ومدار مسئلہ سود کے مناسب، فوری اور قابل عمل حل اور اس کے راستہ میں درپیش رکاوٹوں کو کامیابی سے دور کرلینے پر ہے۔ اگر ہم لوگ آج سود کی اس رکاوٹ کو دور کردینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو نفاذ اسلام کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ختم ہوجاتی ہے اور بقیہ احکام کا نفاذ اور اسلام کے نظام عدل واحسان کا قیام بہت آسان ہوجاتا ہے۔

لیکن جو مسئلہ جتنا اہم اور جتنا بڑا ہوتا ہے اور اس کا قابل عمل حل اتنی ہی بڑی اور سنجیدہ کوششوں کا متقاضی ہوتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ربا کے معاملہ میں اب تک ہم نے من حیث القوم کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ نہ مختلف حکومتوں نے کبھی کھلے اور صاف ذہن سے یہ طے کیا کہ ربا کو اس کی تمام اقسام کے ساتھ ختم کرکے ایک نیا عادلانہ نظام قائم کرنا وقت کی اہم ضرورت اور مملکت پاکستان کا ملی فریضہ ہے اور نہ ہمارے دینی طبقات اور ماہرین شریعت نے روایتی انداز کی مطالبہ بازی اور نعرہ سازی سے آگے بڑھ کر کوئی ٹھوس علمی کوشش کی۔

یہ کام نہ محض حکومتوں کے کرنے کا ہے اور نہ صرف علماء اور ماہرین شریعت کا۔ یہ پوری قوم کی اجتماعی ذمہ داری ہے جس کی انجام دہی میں علماء کرام، ماہرین شریعت، ماہرین اقتصادیات وبنکاری، ارباب حکومت وسیاست اور اصحاب ادب وصحافت سب کو بقدر استطاعت حصہ لینا ہوگا۔ محض کسی ایک طبقہ کی نیم دلانہ دفع الوقتی یا چلتی ہوئی اخباری تحریروں سے ملک وملت کے مسائل نہ پہلے حل ہوسکے ہیں نہ آئندہ حل ہونے کی توقع ہے۔

راقم الحروف فقہ اسلامی کا ایک طالب علم ہے اور فقہ اسلامی ہی کے نقطہ نظر سے چند گزارشات اس اہم موضوع سے متعلق پیش کرنا چاہتا ہے۔ ان گزارشات کو سہولت کی خاطر مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ربا سے متعلق تمام اہم موضوعات میں سے ہر ایک پر اختصار کے ساتھ گفتگو ہو جائے۔

گفتگو کے آغاز ہی میں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں سود یعنی ربا کو واضح طور پر، قطعیت کے ساتھ، بغیر کسی شک وشبہ کے اور بغیر کسی اختلاف رائے کی گنجائش کے حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ حرمت ان ضروریات دین میں سے ہے جس کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ انسان کو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے۔ ضروریات دین سے مراد دین کی وہ اساسی تعلیمات ہیں کہ جن کا دین کا جزو ہونا اور دین کی بنیاد ہونا، اتنی قطعیت کے ساتھ معلوم اور متعین ہو کہ جو شخص اس کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کرتا ہے یا اس سے اختلاف کرتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں:-

- یا تو وہ بدنیتی کے ساتھ دین کے ماخذ اور بنیادی ارکان کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔
- یا پھر وہ دین کی ایک بنیادی تعلیم کا کھلم کھلا منکر ہے!

ان دونوں صورتوں میں ایسا شخص اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو مسلمان سمجھا جائے۔ لہذا یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ اس پر اظہار رائے بڑی احتیاط کا متقاضی ہے اور بہت سوچ سمجھ کر تدبر کے ساتھ ان مسائل پر گفتگو کرنی چاہیے۔

مزید برآں یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ سود قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ میں حرام ہے۔ لیکن اس کا اندازہ کم لوگوں کو ہے کہ سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ شریعت نے اس کو کتنا بڑا جرم قرار دیا ہے اور کتنی بڑی اخلاقی قباحتیں اور شناعتیں اس کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔

آئندہ صفحات میں حرمت ربا کے بارے میں جو آیات اور احادیث بطور مثال اور بطور تبرک پیش کی گئی ہیں ان سے اندازہ ہوگا کہ شریعت نے اس مسئلہ کو اتنا غیر معمولی اور اتنا اہم کیوں قرار دیا ہے۔ اور سود کی وہ کون سی قباحتیں ہیں اور سود کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی وہ کون سی خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے اس کو اتنی سختی کے ساتھ روکنے کی کوشش کی گئی۔

سیرت مبارکہ ﷺ اور صدر اسلام کی تاریخ سے مس رکھنے والا ہر طالب علم اس بات کو جانتا ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرامؓ نے

اہل ذمہ کے ساتھ بہت سے معاہدے کیے۔ مختلف علاقوں کے یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین کے ساتھ معاہدے کیے گئے۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنی عیسائیت، یہودیت یا بت پرستی پر قائم رہتے ہوئے اسلامی ریاست میں آزادانہ اور باعزت زندگی گزار سکیں، حتیٰ کہ ان کو اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے شراب نوشی اور خنزیر خوری کی بھی اجازت دی گئی۔ لیکن ان تمام آزادیوں کے باوجود ان کو سود خواری کی اجازت نہیں دی گئی۔ خود سرکار دو عالم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صراحت کی گئی کہ سودی کاروبار کی صورت میں یہ معاہدہ کالعدم متصور ہوگا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی متعدد غیر مسلم قبائل کے ساتھ معاہدے کیے اور ان کو بطور اہل ذمہ یہ حق دیا کہ وہ اسلامی ریاست میں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے رہ سکیں۔ فقہاء اسلام نے ان معاہدات پر تفصیل سے بحث کی ہے اور خلفائے راشدین اور بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو معاہدے ہوئے ان کو سامنے رکھ کر غیر مسلموں سے تعلقات کے تفصیلی احکام مرتب کیے ہیں۔ یہ وہ معاہدے اور دستاویزات تھیں جن کو تیار کرنے والے حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ تھے۔ اس سے زیادہ مقدس معاہدوں اور دستاویزات کا کوئی تصور بھی ایک مسلمان کے دماغ میں نہیں آسکتا۔ ان دستاویزات اور معاہدوں میں یہ بات ملتی ہے کہ اگر تم لوگوں نے سودی کاروبار کیا تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا[2]۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم کسی مسلمان کو قتل کردو تو جس نے قتل کیا اس کو سزا دیں گے تمہیں من حیث القوم کچھ نہیں کہا جائے گا۔ تمہارا معاہدہ باقی رہے گا۔ تم ہمارے خلاف سازشیں کرو گے تو جو سازش کرے گا اس کو سزا دیں گے۔ تمہارا معاہدہ باقی رہے گا۔ جو جاسوسی کرے گا اس کو سزا دیں گے، لیکن معاہدہ باقی رہے گا۔ بدکاری کرو گے تو جو بدکاری کرے گا اس کو سزا دیں گے، معاہدہ باقی رہے گا۔ لیکن اگر تم میں سے کسی نے سودی کاروبار کیا تو پھر شہریت کا یہ معاہدہ ختم ہو جائے اور ہمارے تمہارے درمیان کھلی جنگ ہوگی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے سود کو اتنا بڑا جرم سمجھا کہ کسی ایک فرد کا سودی کاروبار کرنا اس بات کے لیے کافی قرار پایا کہ اس کی پاداش میں پوری قوم سے معاہدہ دوستی وامن کو ختم کر دیا جائے۔ اس طرح کے معاہدے ایک دو نہیں بہت سے ہیں۔

ایک اور اہم چیز جو مختصر طور پر عرض کرنی ہے وہ اس پروپیگنڈا مہم کے بارے میں ہے جو آج کل بڑے زور وشور سے جاری ہے جس میں سود کے بارے میں طرح طرح کے شبہات پیدا کیے

جا رہے ہیں۔ بلکہ در حقیقت مختلف لوگوں کے ذہن اور مزاج کو سامنے رکھ کر مختلف انداز میں شبہات پھیلائے جا رہے ہیں۔ اگر محسوس کیا جائے کہ کسی کے دل میں حب الوطنی کا جذبہ نمایاں ہے تو کہا جاتا ہے کہ سود کے خاتمہ کی صورت میں فلاں فلاں ایجنسیوں نے اتنے ارب اور اتنے کھرب روپے کی امداد سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اگر سود کو ختم کیا گیا تو فلاں فلاں منصوبوں کے لیے امداد بند کر دی جائے گی۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک محب وطن پاکستانی جو اسلام کے ساتھ ساتھ پاکستان سے بھی محبت رکھتا ہے گھبرا کر یہ بات تسلیم کر لے کہ واقعی اگر ممانعت سود سے یہ نتائج نکلنے والے ہیں تو فوری طور پر اس مہم کو ملتوی کر دینے ہی میں عافیت ہے۔ اس طرح کے اور بھی کئی شبہات ہیں جو بار بار دوہرائے جا رہے ہیں، آئندہ صفحات میں ایسے چند شبہات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ وہ اکثر و بیشتر بے بنیاد ہیں اور بہانہ جوئی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

کچھ اور حضرات کی طرف سے زور و شور سے یہ لے بلند کی جا رہی ہے کہ اس کام کے لیے ہمیں مہلت درکار ہے، کہا جا رہا ہے کہ اتنا بڑا کام ہم بیک جنبش قلم نہیں کر سکتے۔ پورا نظام چشم زدن میں نہیں بدلا جا سکتا، اس کے لیے تدریج کی ضرورت ہے، متبادل نقشے وضع کرنے کے لیے تحقیق اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی نظر میں شائد سود کو شریعت نے آج ہی حرام قرار دیا ہے اور شاید آج ہی پاکستان بنا ہے اور آج ہی روایتی سودی بنکاری کا اور جدید بلاسودی بنکاری کا مسئلہ مسلمانوں کو پیش آیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب شبہات بہت کمزور اور لاعلمی پر مبنی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے پہلے نہ صرف پاکستان میں کوششیں ہوئی ہیں بلکہ دنیائے اسلام کے بہت سے ممالک میں علمی اور عملی دونوں طرح کی کاوشیں ہوئی ہیں اور ان کے اچھے نتائج بھی نکلے ہیں۔ ان میں سے چند ایک جو پاکستان سے متعلق ہیں ان کا بھی مختصر جائزہ اس تحریر میں لیا جائے گا۔

قرآن پاک کی جن آیات میں سود کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ سود خواروں کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ جیسے شیطان نے ان کو مس کر کے پاگل کر دیا ہو[۳]۔ عام مفسرین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ وعید آخرت کے بارے میں ہے اور آخرت میں ایسا ہو گا کہ سود خواروں کو پاگل کر کے اٹھایا جائے گا۔ لیکن شاید قرآن مجید کی اس وعید کی ایک ہلکی سی جھلک یہ بھی ہے کہ خود اس دنیا میں یہ لوگ ایسی مخبوط الحواسی اور ژولیدہ فکری کا شکار نظر آتے ہیں کہ ایک سنجیدہ اور معقول آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک ہی شخص ایک دن حرمت سود کے

خلاف ایک بات کہتا ہے اور جب دلائل اور منطق سے اس کو قائل کر دیا جائے تو دوسرے دن ایک دوسری بات کہنے لگتا ہے جو پہلی بات سے بالکل متعارض اور متناقض ہوتی ہے اور یہ یقین نہیں آتا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی شخص کی زبان سے یا ایک ہی شخص کے قلم سے نکلی ہوں گی۔

پاکستان بننے کے بعد ہمارے ہاں یہ بات ابتداء ہی میں طے ہو گئی تھی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور تمام رائج الوقت قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ اسی طرح کچھ بحث و تمحیص کے بعد یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ ہمارے ہاں دستوری اور آئینی طور پر دو ادارے یہ طے کریں گے کہ کیا چیز شریعت یعنی قرآن وسنت کے مطابق ہے اور کیا چیز شریعت یعنی قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہے وہ دو ادارے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت ہوں گے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک دو دفعہ نہیں، کسی ایک کونسل نے نہیں، بلکہ ہر کونسل نے ۱۹۶۲ء سے لے کر آج تک بارہا اپنی اس طے شدہ رائے کا اعادہ کیا کہ تجارتی سود یا "بنک انٹرسٹ" ربا ہے اور قطعاً حرام ہے اور کوئی شکل اس کے جائز ہونے کی نہیں ہو سکتی۔ اس معاملہ میں آج تک اسلامی نظریاتی کونسل میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہوا۔ اب اگر ہمارے ہاں اسلامائزیشن کے معاملے میں بنیادی سوالات طے کرنے کا فورم اسلامی نظریاتی کونسل ہے جس کو دستور بنانے والوں نے اتفاق رائے سے دستور میں رکھا اور خود حکومت نے اس کے ارکان کو مقرر کیا ہے تو پھر کونسل کی طے کردہ رائے کو مشکوک و متنازعہ بنانے کا کیا جواز ہے۔

بعد ازاں ملک کے دینی قائدین اور اسلامی عناصر کے مسلسل اصرار اور تجویز پر اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چند مستثنیات کے علاوہ (جن کا دائرہ کار بہت وسیع ہے) دیگر قوانین میں سے ان دفعات کو کالعدم قرار دے دیں جو قرآن وسنت سے متعارض ہوں۔ اس مقصد کے لیے ایک عدالتی فورم وفاقی شرعی عدالت کے نام سے مقرر کیا گیا جس کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے (خاصے محدود) دائرہ اختیار میں آنے والے خلاف شریعت قوانین کو کالعدم قرار دے دے۔ اس جوڈیشل فورم میں ملک کی اعلیٰ عدلیہ کے ججوں نے اس معاملہ کی سماعت کی جو سال سوا سال تک جاری رہی، اس دوران انہوں نے تمام ماہرین کی آراء کو سنا، اس میں معاشیات کے ماہرین، بنکاری کے ماہرین، شریعت کے ماہرین علمائے کرام وغیرہ سب شامل تھے۔ اس سارے مرحلہ سے گزرنے کے بعد انہوں نے ایک فیصلہ کیا۔ اب بعض لوگ اس فیصلہ پر بھی چیں بجبیں نظر آتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو یہ حضرات کسی عدالتی فورم کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں اور نہ اپنی ہی مقرر کردہ اسلامی نظریاتی کونسل کے مشورہ کو درخور اعتنا سمجھنے پر آمادہ

ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک قسم کی فکری افراتفری پیدا کرنے اور پھیلانے کی کوششیں شعوری طور پر کی جارہی ہیں اور حرمت ربوا کے جس اصول پر چودہ سو برس سے مسلمانوں میں اتفاق رائے رہا ہے اس کو متنازعہ بنانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔

قبل ازیں کہا جاتا تھا کہ علماء فقہی معاملات میں مختلف الرائے ہیں لہذا جب تک کسی ایک فقہ پر اتفاق رائے نہ ہو آخر کون سی فقہ کے بموجب اور کیونکر اسلامی قوانین نافذ کیے جائیں۔ اگرچہ اس عذر بلکہ بہانہ کا عذر لنگ ہونا اور اس کی وجہ کسی واقعی مشکل کے بجائے خوئے بد ہونا بار بار واضح کیا جاچکا ہے۔ لیکن اگر بالفرض یہ کوئی عذر تھا بھی تو سود کے معاملہ میں وہ بھی کام نہیں دے سکتا، اس لیے کہ حرمت سود پر فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جعفری، زیدی، مقلد، غیر مقلد، غرض مسلمانوں میں جتنے بھی فقہی نقطہ ہائے نظر اور اسالیب اجتہاد پائے جاتے ہیں سب متفق اللفظ ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں سود کے بارے میں شریعت کے ضروری احکام، سود کے بارے میں چند شبہات واعتراضات اور اس کے متبادل نظام کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس تحریر کا مقصد کوئی مفصل تحقیق پیش کرنا نہیں ہے اور نہ اس کے مخاطبین ماہرینِ معاشیات ہیں بلکہ اس کا مقصد عام تعلیم یافتہ حضرات کے ذہنوں میں موجود بعض الجھنوں کو دور کرنا ہے۔

قبل اس کے کہ اصل موضوع پر گفتگو کا آغاز کیا جائے نامناسب نہ ہوگا، اگر ربا کے بارے میں قرآن پاک کی متعلقہ آیات اور منتخب احادیث کا ایک جائزہ لے لیا جائے۔

۲

قرآن پاک میں حرمت سود کی آیات

غالباً سب سے پہلی آیت جس میں ربا کے ناپسندیدہ ہونے کا اشارہ ملتا ہے وہ سورۂ روم کی آیت ۳۹ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ربا سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے درست نہیں ہے۔ اللہ کی نظر میں یہ کوئی اضافہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس تم جو زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہو جن سے تمہارا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے تو وہی اصل اضافہ اور بڑھوتری ہے۔ سورہ روم مکہ مکرمہ میں قبل ہجرت نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت کے تفصیلی احکام آنے سے پہلے ہی قرآن پاک نے مسلمانوں کو سود کے ناپسندیدہ ہونے سے باخبر کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں سود کی حرمت کا ذکر سب سے پہلے سورہ آل عمران کی درج ذیل آیت میں ملتا ہے:

- یاایها الذین آمنوا لا تاكلوا الربوا أضعافاً مضاعفة. واتقوا الله لعلكم تفلحون. واتقوا النار التي أعدت للكفرين .

"اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کو کامیابی حاصل ہو اور ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران: ۱۳۰-۱۳۱)

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیت غزوہ احد کے ذکر میں بیان ہوئی ہے۔ بظاہر غزوہ احد اور حرمت سود میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی اور ایسا لگتا ہے کہ غزوہ احد کا ذکر کرتے کرتے یکایک حرمت سود کا یہ اعلان کچھ بے جوڑ سا ہے۔ لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ ذکر بے جوڑ نہیں ہے۔ مفسرین نے یہاں حرمت سود کے اعلان کی کئی مصلحتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

- غزوہ احد میں مسلمانوں کو جس مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اور خاصا جانی نقصان ہوا اس کی بڑی وجہ یہودیوں اور منافقین (جو درپردہ یہودیوں ہی کے ایجنٹ تھے) کی ساز باز تھی۔

یہودیوں کا مدینہ کے بازار اور تجارتی زندگی پر بڑا کنٹرول تھا اور قرب و جوار کے تمام عرب قبائل یہودیوں کے مقروض تھے۔ یہودی (جو سود خوری کی تاریخ میں ضرب المثل رہے ہیں اور آج بھی دور جدید کی سود خوارانہ بنکاری پر چھائے ہوئے ہیں) اپنے سودی قرضوں کے بل پر آس پاس کے عرب قبائل کو اپنے شکنجہ میں پھنسائے ہوئے تھے۔ قرآن پاک نے اس سیاق میں حرمت سود کا اعلان کر کے یہودیوں کے اس معاشی تسلط پر کاری ضرب لگائی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ پیغام اہل ایمان کو دے دیا کہ یہود کی ریشہ دوانیوں سے آزاد رہنے کا سب سے موثر ذریعہ السداد سود ہے۔ اگر سود ختم کر دیا جائے تو یہودیوں اور ان کے کارندوں کی معاشی بالادستی سے نجات حاصل کر لینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ (شاید یہی وجہ ہے کہ جب بھی سود کے خاتمہ کی بات کی جاتی ہے تو اس پر سب سے بڑا اعتراض یہود و ہنود کے کاسہ لیسوں کو ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے سود خوار بھائی ہیں۔)

- غزوہ احد میں بعض مسلمانوں سے کمزوری ہوئی اور ان کی اس کمزوری سے کفار نے فائدہ اٹھا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس کمزوری کے پیدا کرنے میں سود خوری کا بڑا دخل ہے۔ سود خوری سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور وہ ظلمت اعمال صالحہ کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔
- غزوہ احد میں جس چیز سے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا وہ تیر اندازوں کے دستہ کا مال غنیمت کے حصول کی جلدی میں اپنا مورچہ چھوڑ دینا تھا۔ یہ چیز حب مال کے جذبہ پر دلالت کرتی تھی جو اگر جڑ پکڑ لے تو پھر سود خوری اور قمار بازی کے مراحل تک لے جا کر چھوڑتی ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اس جذبہ کو پہلے ہی مرحلہ میں ختم کر دینے کے لیے حرمت سود کے احکام نازل فرما دیئے تا کہ حب مال کا میلان فطری حدود سے باہر نہ نکلنے پائے۔
- جہاد کی روح جان و مال کو راہ خدا میں بے دھڑک قربان کر ڈالنے کا جذبہ ہے۔ اگر یہ جذبہ ذرا بھی کمزور ہو تو جہاد کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک مجاہدین اسلام میں سود خوری کے جراثیم پیدا نہیں ہوئے اور سود خواروں کو جہاد کی توفیق نہیں ہوئی۔ جہاد بالمال اور سود خوری ایک دوسرے کی ضد ہیں[۴]۔

یہاں پر دوگنے چوگنے سود کی ممانعت کی گئی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوگنے چوگنے سے کم سود لینا جائز ہے۔ اول تو قرآن پاک اور احادیث نبوی کے دوسرے صریح احکام میں

ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ انداز بیان سود کی شناعت اور قباحت کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔

- الذين يا كلون الربوا لا يقومونَ إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس ذلك بانهم قالوا إنما البيع مثل الربوا وأحل الله البيع و حرم الربوا. فمن جاء ه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف و أمره إلى الله. و من عاد فاولئك اصحاب النار، هم فيها خالدون.

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح اٹھتے ہیں (یا اٹھیں گے) جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جس کو شیطان نے اپنے مس سے حواس باختہ کر دیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں: خرید و فروخت بھی تو ربا ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ خرید و فروخت کو اللہ نے جائز اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس شخص کو اپنے رب کی نصیحت ہوئی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا وہ تو اس کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن اگر کوئی دوبارہ یہ کام کرے تو ایسے ہی لوگ جہنم والے ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔" (البقرۃ:۲۷۵)

ان آیات میں جو بات وضاحت اور صراحت سے بیان کی گئی ہے وہ نہ صرف ربا کی حرمت ہے بلکہ ربا اور خرید و فروخت کے مابین ایک بین اور بدیہی فرق کی نشاندہی بھی ہے۔ قرآن پاک نے دونوں کو ایک جیسا قرار دینے والوں کو مخبوط الحواس اور بد عقل قرار دینے پر اکتفاء کیا ہے اور ان دونوں کے مابین فرق کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ گویا قرآن پاک نے اس فرق کو ایسی واضح اور دو ٹوک چیز سمجھا ہے جس کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے۔

بیع اور ربا میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ بیع میں لیا جانے والا روپیہ کسی مال کا معاوضہ ہوتا ہے لیکن ربا میں سود خور جو زائد دولت وصول کرتا ہے وہ کسی مال کا معاوضہ نہیں ہوتی۔

بیع اور ربا میں دوسرا فرق یہ ہے کہ بیع اور خرید و فروخت تجارت کو فروغ دیتے ہیں جس سے دولت پھیلتی ہے لیکن ربا میں دولت سمٹتی چلی جاتی ہے اور سود خوار دولت مند سے دولت مند ہوتا چلا جاتا ہے۔

بیع اور ربا میں تیسرا فرق یہ ہے کہ ہر شخص اپنے قبضہ میں موجود مال کے نفع اور نقصان دونوں کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن ربا میں سود خوار صرف نفع کا حقدار ہوتا ہے اور نقصان کی ذمہ داری مقروض پر ڈال دیتا ہے۔

بیع اور ربا میں چوتھا بڑا فرق یہ ہے کہ معاملہ بیع ایک بار ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور دونوں فریق

اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس سود خور بیشتر صورتوں میں اپنے مقروض کی جان نہیں چھوڑتا اور اس کے مطالبات پورے ہونے میں نہیں آتے۔ خاص طور پر سود در سود کی لعنت سے خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

بیع اور ربا پانچواں بڑا فرق یہ ہے کہ بیع میں نفع کی جو بھی شرح ہو وہ ایک بار وصول ہو جانے کے بعد بائع کے مطالبات ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن سود خوار کے مطالبات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہوتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منافع اور وصولیابی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

بیع اور ربا میں چھٹا فرق یہ ہے کہ بیع میں انسان کی محنت، صلاحیت، ذہانت اور وقت سب صرف ہوتے ہیں جب جا کر چار پیسے کا نفع میسر ہوتا ہے۔ لیکن سود خور گھر بیٹھے بغیر کسی محنت، صلاحیت، ذہانت اور وقت کے صرف کیے سود اور منافع وصول کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت شریک تجارت یا شریک کاروبار کی نہیں رہتی [5]۔

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے فرق ہیں جن کے پیش نظر قرآن پاک نے ایک کو حرام قطعی اور دوسرے کو حلال و طیب قرار دیا ہے۔

یمحق الله الربوا و یربي الصدقات. والله لا یحب كل كفار اثیم

"اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور یاد رکھو اللہ کسی نافرمان کافر کو پسند نہیں کرتا۔" (البقرۃ:۲۷۶)

اس آیت مبارکہ میں صاف کہا گیا کہ سود ترقی کا نہیں بلکہ تنزل کا سبب ہے۔ نہ سود کے مال میں برکت ہوتی ہے کہ اس سے حقیقی اطمینان قلبی اور روحانی سکون میسر ہو اور نہ مال کار سود کی بنیاد پر کسی معاشرہ میں حقیقی معاشی انصاف قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی آخر کار سود خور کو آخرت میں کوئی فلاح نصیب ہو گی۔ اس کے برعکس صدقات سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔ صدقہ دینے والا اطمینان قلبی اور سکون روحانی کی دولت سے بھی بہرہ مند کیا جاتا ہے اور جس معاشرہ کی اساس صداقت، اخوت اور رحمت پر ہو وہاں حقیقی معاشی اور توزیعی انصاف بھی قائم ہوتا ہے۔

ایک حدیث مبارک میں حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ سود کا مال کتنا بھی بڑھ جائے اس کا انجام افلاس ہی ہوتا ہے۔ معاشیات کی تاریخ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک سودی معاشرہ میں جب کساد بازاری آتی ہے تو وہ ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہوتا ہے جس کی مثال کسی غیر سودی معاشرہ میں نہیں مل سکتی۔ تجارت اور کاروبار میں جتنی تیزی سے اتار چڑھاؤ ایک سودی نظام میں آتے ہیں ایک غیر سودی نظام اس سے بڑی حد تک محفوظ رہتا ہے۔ تجارتی چکر یا ٹریڈ سائیکل کے

بارے میں ماہرین معاشیات جو کچھ کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر ایک سودی نظام کے اساسی تصورات پر مبنی نظام پر ہی صادق آتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ربا اور صدقہ کا تقابل کیا گیا ہے، اس لیے کہ دونوں اپنی روح اور مزاج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک طرف اصل چیز طمع، لالچ، دوسرے کی ضرویات اور مشکلات کی طرف سے لاپرواہی اور مال و زر کی روز افزوں ہوس ہے تو دوسری طرف تعاون، اخوت اور قناعت کی اعلیٰ اور پاکیزہ اقدار ہیں۔

- یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله و ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین. فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله و رسوله و إن تبتم فلکم رؤس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون. و ان کان ذو عسرة فنظرة إلی میسرة. و ان تصدقوا خیر لکم إن کنتم تعلمون.

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو جو ربا بچ گیا ہے (واجب الادا ہے) اس سے دستبردار ہو جاؤ، لیکن اگر تم ایسا نہ کرو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسولوں کی طرف سے تمہارے لیے اعلان جنگ ہے۔ ہاں اگر تم تائب ہو جاؤ تو تمہیں اپنی اصل رقمیں لینے کا حق ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو اس وقت تک مہلت دو جب تک خوشحالی حاصل نہ ہو جائے اور اگر (ایسے تنگ دست کو) بطور صدقہ چھوڑ دو تو یہ تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے بشرطیکہ تمہیں (ان حقائق کا) علم ہو۔" (البقرہ: ۲۷۸-۲۸۰)

ربا کے باب میں نازل ہونے والی یہ آخری آیت ہے جو فتح مکہ کے بعد حجتہ الوداع سے ذرا پہلے نازل ہوئی۔ اس میں تمام سابقہ سودی دعاوی اور واجب الادا رقموں کو کالعدم کر دیا گیا۔ اس حکم کا مزید اعلان و اشتہار سرکار رسالتمآب ﷺ نے اپنے شہرہ آفاق خطبہ حجتہ الوداع میں فرما دیا اور اس حکم پر سب سے پہلے عمل کرتے ہوئے (جیسا کہ سرکار کی عادت گرامی تھی کہ ہر حکم پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھاتے تھے) اپنے چچا حضرت عباس کے تمام دعاوی کالعدم قرار دے دیئے۔ بلکہ غیر مسلموں تک کے ذمہ مسلمانوں کی جو رقمیں واجب الادا تھیں وہ بھی کالعدم کر دیں۔

یہاں قرآن پاک نے راس المال کی اصطلاح استعمال کی ہے جو اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ یہ حکم تجارتی اور استہلاکی سود پر بھی یکساں طور پر منطبق ہو گا، جیسا کہ معلوم ہے قریش کے سودی کاروبار میں بیشتر سود تجارتی نوعیت ہی کا ہوتا تھا، اس لیے کہ اول تو صرفی قرضے لینے والے وہاں تھے ہی برائے نام، دوسرے عرب روایات کے بموجب جہاں غریب کی مدد، مہمان نوازی اور

سرپرستی ایک خوبی تھی یہ بات بعید از تصور ہے کہ سرداران قریش اور بالخصوص حضرت عباس جیسے مخیر اور دریا دل بزرگ غریبوں کو صرفی قرضے بھی سود پر دیتے ہوں۔ ایسے لوگ وہاں بہت معمولی اقلیت میں ہی ہوں گے جو غریب سے اس کی ذاتی ضروریات کی رقم میں سے بھی سود وصول کرتے ہوں۔

قرآن پاک کی یہ وہ آیات ہیں جن میں سود کی حرمت کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے وہ آیات یہاں درج نہیں کیں جن میں ایجاز و اختصار کے ساتھ حرمت سود کا ذکر ہے۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان احادیث کی تعداد بیسیوں ہے جن میں حرمت ربا کا بیان ہے۔ یہاں ان سب کو درج کرنے کا تو موقع نہیں ہے لیکن بطور نمونہ چند احادیث کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

- عن ابی هريرة رضی الله عنه النبی صلى الله عليه وسلم، قال: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: يا رسول الله! و ماهن ؟ قال صلى الله عليه وسلم : الشرك بالله ...... و أكل الربوا (بخاری، مسلم، أبو داؤد، نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے امور سے بچو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ ہلاک کرنے والے امور کون سے ہیں؟ ... آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا..... اور سود کھانا.....

- عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه، وقال هم سواء (مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: سود کھلانے والے پر، سود کھانے والے پر، سود کی دستاویز لکھنے والے پر، سود کے بارے میں گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

- عن عبدالله يعنی ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: الربوا ثلاث و سبعون بابا أيسرها مثل ان ينكح الرجل امه (حاكم، و مثله عن البيهقی وغيره)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ کے لحاظ سے سود کے تہتر درجات ہیں۔ ان میں سب سے کم درجہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

- و عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ما احد اکثر من الربٰوا الا کان عاقبة امره الی قلة (حاکم ، ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بھی سودی کاروبار کیا، اس کا انجام ہمیشہ مال کی کمی اور نقصان پر ہوا۔

- عن ابی هریرة رضی الله عنه، قال: رسول الله صلی الله علیه وسلم: لیاتین علی الناس زمان لایبقی منهم احد الا اکل الربوا . فمن لم یاکله اصابه من غباره. (ابو داؤد. ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا وقت آنے والا ہے کہ کوئی بھی سود کھانے سے نہیں بچ سکے گا اگر کوئی شخص براہ راست سود نہیں کھائے گا تو اس کے گرد و غبار (اثرات) سے ضرور متاثر ہو گا۔

- عن امراة ابی سفیان رضی الله عنه قالت: سالت عائشة رضی الله عنها، فقلت بعت زید بن أرقم جاریته الی العطاء بثمانمائة، وابتعتها منه بستمائة فقالت عائشة رضی الله عنها، بئس والله ما اشتریت! أبلغی زید بن ارقم انه قد أبطل جهاده مع رسول الله صلی الله علیه وسلم إلا أن یتوب. قالت: افرأیت ان أخذت رأس مالي؟ قالت: لابأس! من جاء ه موعظة من ربه فانتهی فله ماسلف .... و ان تبتم فلکم رؤس أموالکم (عبدالرزاق)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور کہا: کہ میں نے زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم ادھار میں ایک لونڈی بیچی اور طے ہوا کہ وہ یہ رقم وظیفہ ملنے پر ادا کر دیں گے۔ پھر میں نے فوراً ہی وہ لونڈی ان سے چھ سو میں خرید لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: تم نے بہت برا سودا کیا ہے، زید کو بتا دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہوں نے جو جہاد کیا تھا وہ سارا ضائع ہو گیا.... ہاں اگر وہ توبہ کریں تو پھر نہیں۔ میں نے پوچھا کہ اگر میں ان سے اپنی اصل رقم ہی واپس لے لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳

سود کی قباحتیں

اسلام جس طرح کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے وہ ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام پر مبنی معاشرہ ہے۔ وہ جن اقدار کی معاشرہ میں بالادستی کا علمبردار ہے۔ وہ عدل و احسان کی اقدار ہیں۔ وہ افراد معاشرہ میں جس قسم کے تعلقات کا داعی ہے وہ تکافل، اخوت اور باہمی ہمدردی کا تعلق ہے۔ اسلامی معاشرہ میں افراد کا باہمی تعلق اور لین دین لوٹ کھسوٹ، خود غرضی اور استحصال کا نہیں تعاون، مواسات اور ہمدردی کا ہوتا ہے۔ ان اقدار کی نشوونما اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے اسلام نے ظلم و استحصال کے تمام راستوں کو ایک ایک کر کے بند کیا ہے۔ اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ جن سے ظلم و استحصال کا دروازہ کھلتا ہے اور ان تمام امور کو پسندیدہ ٹھہرایا ہے جن سے باہمی تعاون و تکافل کے جذبہ کو جلاملتی ہے۔

سود جو ذہنیت پیدا کرتا ہے وہ قدم قدم پر اسلام کی اقدار سے ٹکراتی ہے۔ سود خور کا مقصد ہی دوسرے کی ضرورت اور احتیاج سے فائدہ اٹھانا اور اپنی جیب بھرنا ہوتا ہے۔ لہذا اس کی لغت میں تکافل اور باہمی ہمدردی بے معنی یا کم از کم غیر متعلقہ الفاظ ہوتے ہیں۔ اس کے ہاں مواسات اور تعاون کے اسلامی تصورات کا بار پانا کیا معنی یہ تصورات سرے سے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ آئندہ سطور میں سود کی ایسی چند قباحتیں ذکر کرنا مقصود ہے جن سے یہ اندازہ ہوسکے کہ سود خوری اسلام کی تعلیمات سے کہاں کہاں متصادم ہوتی ہے۔ سمجھنے میں سہولت کی خاطر یہاں سود کی قباحتوں کو تین بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:-

- اخلاقی قباحتیں
- معاشرتی قباحتیں
- معاشی قباحتیں

اس ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سب سے پہلے سود کی اخلاقی قباحتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ معاشیات اور بنکاری کے کاروبار میں بیچارے اخلاق کو بازیابی کی اجازت تہذیب مغرب نے کبھی نہیں دی تاہم ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے ہم سب کا ایمان ہونا چاہیے کہ کسی بھی چیز کے

حسن و قبح کا معیار وہ اخلاقی اصول ہوتے ہیں جو شریعت نے بتائے ہیں اور جن کی بنیاد پر ہمارے ہاں کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اخلاقی قباحتیں

- سود کی سب سے پہلی قباحت یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود سراسر ظلم ہے بلکہ وہ ایک ایسے ظالمانہ سلسلہ کی بنیاد رکھ دیتا ہے جس میں آنے والا ہر دن اور ہر دن میں آنے والا ہر لمحہ ظلم کے اس سلسلہ کو دراز تر اور وسیع تر کرتا چلا جاتا ہے۔ سودی نظام کے تحت شروع کیا جانے والا ہر کاروبار معاشرہ میں ایک نئے سودی چکر کا آغاز کر دیتا ہے جو عامۃ الناس کی امیدوں اور آرزوؤں کو روندتا چلا جاتا ہے اور کسی کے دل میں ذرہ برابر ٹیس نہیں اٹھتی کہ کس مظلوم کا گھر لٹا، کس بے کس کی رہی سہی پونجی ڈوب گئی اور کس بے سہارا کا سہارا ڈھے گیا۔ یہ سنگدلانہ مزاج سود خوری کا لازمی نتیجہ ہے۔ ایک بار جب یہ کٹھور پن پیدا ہو جائے تو ایک ایک کر کے انسانی ہمدردی، اخلاق اور اخوت کے سارے عناصر اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔
- سود کی دوسری بڑی قباحت یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں ایک ایسی مکروہ قسم کی خود غرضی جنم لیتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان کا یہ مزاج بن جاتا ہے کہ وہ اپنے نفع اور اپنے کاروبار کی کامیابی سے بحث رکھے، دوسرے کے نقصان سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہتا۔ مقروض کے گھر فاقے پڑ رہے ہیں یا حن برس رہا ہے یہ سود خور کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی دلچسپی صرف اتنی ہے کہ وہ مقررہ وقت پر اپنی اصل رقم معہ سود وصول کر لے چاہے اس کے نتیجہ میں کسی کو گھر کے برتن اور تن کے کپڑے ہی کیوں نہ بیچنے پڑ جائیں۔
- سود کی تیسری بڑی قباحت جس سے بڑی تہذیبی خرابیاں جنم لیتی ہیں وہ انسان پر مال و زر کی برتری ہے۔ مال و دولت مقصود بالذات نہیں ہوتا محض ذریعہ اور وسیلہ ہے انسان کی ضروریات کا۔ لیکن سود خورانہ نظام میں انسان کی حیثیت ثانوی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا خیال اس سے بھی کم تر حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور مال و دولت کو اولین ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کی محنت ایک بے قیمت اور بے حیثیت شے بن کر رہ جاتی ہے اور سرمایہ اصل مقصود قرار پاتا ہے۔ انسانی محنت کے ضیاع پر کسی کا دل نہیں دکھتا، ہاں چار پیسے کے ضیاع پر سود خور برسوں آہیں بھرتا ہے۔ سود

انسان کو مخدوم اور سرمایہ کو خادم بنانے کے بجائے سرمایہ کو مخدوم الممالک اور معبود امم بنا دیتا ہے اور انسان اس کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے والا ایک خادم اور نیاز مند بن کردہ جاتا ہے۔

- سودی نظام کے چکر میں پھنس کر انسان رزق حلال کی لذت کو بھول جاتا ہے۔ خون پسینہ بہا کر محنت کی کمائی میں جو برکت اور پاکیزگی ہوتی ہے وہ گھر بیٹھے مفت کی کھانے والے کو نصیب نہیں ہوتی۔ شروع شروع میں سود خوری سے جو طبیعت اباء کرتی ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی عادی ہوتی جاتی ہے اور ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ رزق حلال کے تصور سے اس کی طبیعت اباء کرنے لگتی ہے۔
- سورہ بقرہ کی آیت (۲۷۵) کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ سود خور مال و زر کی محبت میں اتنا بدمست اور مدہوش ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے مال کا واحد محرک حب زر اور جلب مال ہو جاتا ہے اور یہ چیز رفتہ رفتہ تمام مکارم اخلاق کو ایک ایک کر کے چاٹ جاتی ہے۔ حرص اور لالچ جن کی مذمت سے نہ صرف قرآن و حدیث بلکہ دنیا بھر کے مذاہب و اخلاق کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ سود خور کے رگ و پے میں رچ بس جاتے ہیں، دوسروں کی جیبیں خالی کرا کے اپنی جیب بھرنا اس کا سب سے طاقتور جذبہ بن جاتا ہے[۶]۔
- اکثر دیکھا گیا ہے کہ جلد یا بدیر سود خور کو قمار بازی کی لت بھی پڑ کر رہتی ہے۔ جب ایک بار حرص اور لالچ کے بھوت اس پر سوار ہوتے ہیں تو اس کا دماغ صرف کسب مال اور جلب زر کی نت نئی تدبیریں سوچنے میں لگ جاتا ہے اور فوراً ہی اس کا ابلیسی ذہن اور قارونی طبیعت اس کو قمار بازی اور جوا کے راستہ پر ڈال دیتی ہے جو جلب زر کا سود سے بھی زیادہ آسان راستہ ہے۔ ایک بار جب گھر بیٹھے مفت کھانے کی لت پڑ جائے تو انسان ہر وہ راستہ اپنانے کی کوشش کرتا ہے جس میں کم سے کم محنت سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کی جا سکے۔ یہ چیز قمار بازی اور جوئے میں بہ سہولت حاصل ہونے کا امکان رہتا ہے اور ایک بار جو جوئے کی لت پڑ جائے تو انسان انسانیت سے گر کر اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ کتنے ہی جوئے باز ہیں جو اپنی بیویاں اور بیٹیاں جوئے میں ہار دیتے ہیں۔

معاشرتی قباحتیں

یہ تو وہ چند اخلاقی خرابیاں اور قباحتیں تھیں جو سودی نظام میں لازماً پیدا ہوتی ہیں اور آج دنیا بھر میں ہر جگہ پیدا ہو رہی ہیں، اگرچہ خالص معاشی اور اقتصادی مباحث میں اخلاق و کردار کا ذکر بہت سی پیشانیوں پر شکنوں کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن اگر واقعتاً نفاذ اسلام مقصود ہے تو ہر کام کا آغاز و انجام اس کے اخلاقی نتائج کی بنیاد پر ہی ہونا چاہیے۔ ان خرابیوں کے علاوہ متعدد ایسی معاشرتی برائیاں ہیں جو سود کے نتیجہ میں پورے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کے جراثیم کو پھیلا دیتی ہیں اور بالآخر معاشرہ اختلال کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ سطور ذیل میں چند ایسے معاشرتی مفاسد کی نشاندہی کی جا رہی ہے جو سودی نظام کے براہ راست نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں اور نہ صرف جدید دنیا کو بلکہ دنیائے اسلام کے بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے کر تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

- سود کے نتیجہ میں دولت کا جو ہولناک ارتکاز ہوتا ہے (جس کی وضاحت آگے آئے گی) اس نتیجہ میں معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ چند سود خوار ہوتے ہیں جو ملک کی نوے پچانوے فیصد دولت کو کنٹرول کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ ملک کے تمام وسائل پر قابض ہو کر من مانیاں کرتے ہیں، دوسری طرف وہ کروڑوں افراد ہوتے ہیں جن کو نان شبینہ کو ترسنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان دونوں طبقوں کے درمیان پہلے معاشرتی دوری پیدا ہوتی ہے، پھر معاشی حد بندی قائم ہوتی ہے جو باہمی ناپسندیدگی اور نفرت کے مدارج سے گزرتی ہوئی آخر میں کینہ اور جنگ و جدل کے مناظر پیش کرتی ہے اور اس طرح طبقاتی کشمکش کے وہ مکروہ نمونے سامنے آتے ہیں جنہوں نے کمیونسٹ فلسفہ میں تاریخ کے ایک ناگزیر باب کی حیثیت اختیار کر لی۔
- دولت کا یہ اصول رہا ہے کہ اگر وہ بے محنت اور بے مشقت حاصل ہو تو اس کی قدر نہیں ہوتی۔ مال مفت کے ساتھ دل کا رویہ ہمیشہ سے بے رحمانہ ہی رہا ہے۔ جن معاشروں میں دولت کی ریل پیل کسی طبقہ میں گھر بیٹھے بغیر خون پسینہ بہائے ہونے لگے ان معاشروں میں اس سے بے شمار اجتماعی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اسراف و تبذیر اور فضول خرچی میں مقابلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس صورت حال کا ان چند سو یا چند ہزار خاندانوں پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا جہاں دولت کی بہتات ہوتی ہے لیکن وہ لاکھوں خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں جن کے پاس مفت کی آمدنی یا تو ہے نہیں یا ان کے پاس

اس کے وسائل و اسباب مہیا نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک صورت حال ان کروڑوں خاندانوں کی ہوتی ہے جو نان شبینہ کے بھی محتاج ہیں۔ دولت کا رجحان ارتکاز دولت اور غیر ضروری افراط زر کے یہی وہ اخلاقی اور معاشرتی مفاسد تھے۔ جن کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ امت کے بے زری یا کم زری کے نہیں بلکہ بسیار زری کے اندیشہ سے پریشان رہتے تھے۔

- سودی لین دین کی بنیاد پر جس معاشرہ میں کاروبار کی اساس ہوگی وہ معاشرہ کبھی بھی کسی مضبوط اخلاقی بنیاد پر استوار نہیں ہو سکتا۔ اس میں وہ یک جہتی اور فراخدلانہ تعاون پیدا ہی نہیں ہو سکتا جس کی توقع اسلام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم اسلام کی معاشرتی اقدار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تکافل و تضامن کی بات کرتے ہیں تو آج کا ایک عام تعلیم یافتہ فرد جو دینی اقدار سے نامانوس ہو وہ اس طرح حیرت سے دیکھتا ہے جیسے زبان حال سے کہہ رہا ہو اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔

یہ چند وہ معاشرتی مفاسد تھے جو سودی نظام میں لازماً پیدا ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ پورے معاشرہ کو گھن کی طرح اندر ہی اندر چاٹ جاتے ہیں۔ بظاہر معاشرہ اور معاشرتی ادارے پھیلتے اور پھولتے نظر آتے ہیں لیکن وہ اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہوتے ہیں اور زمین بوس ہونے کے لیے کسی معمولی سے بہانہ کے منتظر رہتے ہیں۔ سود کے اخلاقی اور معاشرتی مفاسد پر اور بھی بہت کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے لیکن سود کی قباحتوں کا اندازہ کرنے کے لیے یہ چند اشارات کافی ہیں۔

معاشی قباحتیں

رہے سود کے معاشی نقصانات تو ان پر ماہرین معاشیات نے اتنی تفصیل سے لکھا ہے کہ اب مشرقی اور مغربی دونوں ماہرین میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ سودی نظام سے خالص اقتصادی اور معاشی میدان میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ سود کو دنیا سے ختم کر دیا جائے۔ دورِ جدید کا سب سے بڑا مغربی ماہر معاشیات جس کو اس فن میں امامت اور تجدید کا منصب حاصل ہے یعنی "لارڈ کینز" صاف لکھتا ہے کہ جب تک سود کو دنیا سے ختم نہیں کر دیا جائے گا بے روزگاری کا مسئلہ حل طلب رہے گا اور یہ کہ سرمایہ دار طبقہ کی استحصالی قوت کو توڑنے کا سب سے مؤثر راستہ سود کو کالعدم کر دینا ہے۔

کینز اور دوسرے ماہرین معاشیات نے سود کے مفاسد و نقصانات پر جو لکھا ہے اس کی ایک بڑی جامع تلخیص ہمارے ملک کے نامور محقق اور ماہر معاشیات پروفیسر شیخ محمود احمد مرحوم

نے اپنی مختصر لیکن فاضلانہ تالیف "سود کی متبادل اساس" میں دی ہے۔ درحقیقت جب سود کو سرمایہ کاری کی اساس کے طور پر قبول کیا جائے تو وہ اتنی سمتوں سے انسان کی فلاح اور اس کی خوشحالی پر حملہ آور ہوتا ہے کہ ان کا انتہائی مختصر ذکر بھی فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ کا مفہوم سمجھانے کے لیے کافی ہے۔ پروفیسر شیخ محمود احمد نے سود کے درج ذیل سولہ نقصانات بتائے ہیں[7]۔

- پہلا نتیجہ سود کا یہ ہے کہ اس کے بوجھ کی وجہ سے سرمایہ کی کارکردگی محدود ہوجاتی ہے۔ تعمیری عمل اتنا نہیں پھیل سکتا جتنا کہ قدرتی وسعت کے اعتبار سے اسے پھیلنا چاہیے۔ یہ نکتہ جس قدر اہم ہے اس قدر متفق علیہ بھی ہے، اہمیت اس کی یہ ہے کہ سود کے تمام استحصالی مظاہر اس نکتے سے اس طرح نمودار ہوتے ہیں جیسے شاخوں سے پتے نکلتے ہیں جہاں تک متفق علیہ ہونے کا تعلق ہے راقم الحروف کے علم کی حد تک کوئی ماہر معاشیات ایسا نہیں جس نے شرح سود اور سرمایہ کی صلاحیت کار کے درمیان منفی تعلق کو تسلیم نہ کیا ہو یہ بحث تو ملتی ہے کہ سرمایہ کی کارکردگی پر اثر اندازی کی لچک اکائی کے برابر ہے یا کم، لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ شرح سود سرمایہ کی کارکردگی پر منفی اثر نہیں ڈالتی۔ اس منفی اثر کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے قدرتی وسائل کی تسخیر رک جاتی ہے۔ بالخصوص چھوٹے کام جن میں سود کا بوجھ اٹھانے کی سکت کم ہوتی ہے یا وہ شروع ہی نہیں کیے جاسکتے یا شروع کرنے کے بعد نقصان اٹھا کر چھوڑنے پڑتے ہیں۔
- دوسرا نتیجہ سود کا سرمایہ کی محدود کارکردگی کے توسط سے یہ ہے کہ بہت سے لوگ جو روزی میں لگائے جانے کے آرزو مند ہوتے ہیں انہیں روزی نہیں مل سکتی اور چونکہ ان میں سے ہر ایک میں سرمایہ حاصل کرکے چھوٹے موٹے کاروبار کرنے کی سکت نہیں ہوتی نہ ہی چھوٹے موٹے کاموں میں سود کا استحصالی بوجھ اٹھانے کی کوئی بڑی قوت ہوتی ہے اور نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سرمایہ دار کو قرض دینے میں کوئی مسرت ہوتی ہے اس لیے بیروزگار انسان روزگار کے حصول پر کوئی قدرت نہیں رکھ سکتے۔
- تیسرا نتیجہ سود کا یہ ہوتا ہے کہ جن کاموں کو سود کے استحصالی بوجھ کے باوصف شروع کیا جاتا ہے ان میں منافع کی شرح کو اونچا رکھنا اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ ناظم کار کو نہ صرف سود بلکہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مختلف خطرات کے خلاف ادائیگی مہیا کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ لہذا منافع خوری میں حد سے آگے چلے جانے کا جو اسلوب تجارت اور

صنعت میں نظر آتا ہے وہ سود کی وجہ سے ہے۔

- چوتھا نتیجہ سود کا یہ ہے کہ ہر چیز کا کرایہ وہ خواہ زمین کا ہو یا مکان کا یا دکان کا انتہائی طور پر اونچا چڑھ جاتا ہے، کیونکہ اس میں زمین، مکان یا دکان کی مالیت پر اس کی شکست و ریخت کی ادائیگی کے علاوہ سود شامل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا کرائے کے توسط سے بھی منافع کی سطح کو مزید اونچا کرنے کی بنیاد مہیا ہو جاتی ہے۔
- پانچویں قدم کے طور پر منافع کو اونچا رکھنا صرف دو اقدامات کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے جن میں سے ایک یہ کہ مزدوروں کو ان کے کام کا پورا معاوضہ نہ دیا جائے اور یہ محرومی طبقاتی کشمکش کی بنیاد بن جاتی ہے۔
- چھٹا نتیجہ جو منافع کو اونچا رکھنے کی دو شاخی چال کے طور پر انسان پر مسلط ہوتا ہے یہ ہے کہ تمام چیزیں مسلسل گرانی کا شکار ہوتی چلی جاتی ہیں اور استحصال کے مارے ہوئے نچلی سطح کے لوگوں کو اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں اذیت ناک محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
- ساتواں نتیجہ جو چیزوں کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے مرتب ہونا ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ چیزوں کی مانگ اتنی نہیں ہوتی جتنی اگر قیمتوں کو صحیح سطح پر رکھا جاسکتا تو ممکن ہوتی، لہذا کساد بازاری کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔
- آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ منافع کی سطح کو سود کے تقاضوں کے مطابق اونچا رکھنے کے باوجود کساد بازاری کے خطرے کو ٹالنے کا ایک کثیر العمل طریقہ یہ ہے کہ چیزوں کی پیداوار کو محدود کیا جائے، چنانچہ ہر قسم کی پیداوار کو اس سطح سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا جس سے منافع کی بلند ترین سطح ممکن ہو سکے۔ یہ سودی نظام کا ایک بنیادی طریق کار ہے، اس کا اظہار ہر ملک میں اور ہر ہر قسم کی پیداوار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن غالباً سب سے خوبصورت مظہر امریکہ کی زرعی پالیسی ہے جس کے تحت امریکہ کی حکومت کم و بیش بارہ ارب ڈالر ہر سال محض زرعی پیداوار کو کم کرنے پر صرف کرتی ہے اور چونکہ اتنی بڑی رقم امریکہ کے پاس بھی فاضل نہیں ہوتی لہذا ہر سال یہ رقم سودی قرض پر حاصل کی جاتی ہے۔ انسان کی محرومی اور سرمایہ کی توانائی کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال شاید دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہ مل سکے۔
- نواں نتیجہ جسے سودی نظام کی چابک دستی مہیا کرتی ہے یہ ہے کہ بجائے پہلے آٹھ نتائج پر نادم ہونے کے وہ ایسا موقف اختیار کرتا ہے جس کی بدولت آٹھ نتائج میں مزید گہرائی پیدا ہو

جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سرمایہ دار طبقہ حکومتوں کو یقین دلاتا ہے کہ کساد بازاری سے اتنے خطرات پیدا ہوں گے کہ حکومتوں کا نام و نشان مٹ جائے گا، لہذا لوگوں کو روزگار اور قوت خرید مہیا کرنے کے لیے حکومتوں کو اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے بہت زیادہ رکھنے چاہئیں۔ چنانچہ دنیا کی بیشتر حکومتیں سرمایہ دار طبقہ کی اس جال میں گرفتار ہیں جس میں پاکستان کی حکومت بھی شامل ہے۔

- دسواں نتیجہ یہ ہے کہ اس ترکیب سے حکومتوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے بعد سرمایہ دار طبقہ انہی حکومتوں کو اپنے استحکام کا ذریعہ بنالیتا ہے، وہ نہ صرف افراد اور تعمیری اداروں کی آمدنی کے ایک معتد بہ حصہ کا مالک بن جاتا ہے بلکہ آمدنی کے اس کثیر حصہ پر قابض ہو جاتا ہے جو قرضوں پر سود کی شکل میں حکومتوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تابع تمام حکومتوں کا وہی حال ہے جو پاکستان کا ہے کہ ہر سال کھربوں روپیہ قرض لیا جاتا ہے اور اربوں روپیہ سالانہ سود ادا کیا جاتا ہے۔
- گیارھواں نتیجہ یہ ہے کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں، نچلا اور متوسط طبقہ بے روزگاری اور گرانی کے پاٹوں کے درمیان پستا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ اپنی سود کی غیر مختتم آمدنی پر گل چھرے اڑاتا نظر آتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے خوبصورت الفاظ میں ایک طرف "دولت کا ورم" اور دوسری طرف معاشی لاغری" پیدا ہو جاتی ہے، جس سے ایک طرف دولت کے مرتکز ہونے میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف نفرت کا لاوا کروڑوں انسانوں کے سینے میں جمع ہونا شروع ہوتا ہے۔
- بارہواں نتیجہ بین الاقوامی کھچاؤ میں اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ملک کوشش کرتا ہے کہ اس کی برآمدات بڑھیں اور درآمدات کم ہوں تاکہ ملک کے اندر بیروزگاری جسے سود نے پیدا کیا ہے، برآمدات میں پھیلاؤ کی مدد سے دوسرے ملکوں میں منتقل ہو سکے، لیکن چونکہ باقی ملک بھی اس بیماری کے مریض ہوتے ہیں، اس لیے کوئی ملک اس سمت میں کوئی واضح کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، البتہ بین الاقوامی کھچاؤ بڑھتا چلا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کی شدت جنگ کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔
- تیرہواں نتیجہ تمدن اور تہذیب کے سب سے قیمتی عنصر یعنی انسان کی تمدنی سطح کی زبوں حالی ہے۔ سود نام ہی روپے کو انسان پر تفویق دینے کا ہے۔ کیونکہ یہ انسان کی محنت کے نتیجے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر انسانی محنت ضائع بھی ہو جائے تب بھی

سرمایہ دار اپنا سود چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ چونکہ سودی نظام کا عملی اطلاق ہی سرمایہ کے تفوق اور انسان کی ثانویت کا اعتراف ہے لہذا کچھ تعجب نہیں کہ نئی تہذیبی روایت میں شرافت، رزق حلال اور انسان کی قیمت مسلسل گرتی چلی جاتی ہے اور لالچ، حرص اور لوٹ کھسوٹ سب سے مؤثر اور توانا جذبے بن جاتے ہیں۔

- چودھواں نتیجہ سود کا وہ ہے جسے قرآن کی زبان میں یتخبطہ الشیطان من المس کہا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سے تعلق رکھنے والے تمام ماہرین معاشیات آج حیران ہیں کہ ان بیماریوں کا کیا علاج کریں لیکن باوجود علم کی دسترس کے سود کے نتائج کو دور کرنا سود کو دور کیے بغیر ممکن نظر نہیں آتا اور چونکہ سود کو دور کرنا انہیں قابل قبول نہیں اس لیے ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ مثال کے طور پر بے روزگاری اور گرانی کا علاج کرنے بلکہ سوچ سکنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان کے پاس بے روزگاری کے جتنے علاج ہیں وہ گرانی بڑھانے والے ہیں اور گرانی دور کرنے کے لیے جتنے علاج ہیں وہ بے روزگاری بڑھانے والے ہیں۔ لہذا عصر حاضر کی معاشیات کے سب بڑے مسائل کے مقابلے میں ماہرین معاشیات کی بے بسی قابل رحم بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔
- پندرھواں پہلو بات کا یہ ہے کہ یہ دیوانے بکار خویش بے انتہا ہوشیار بھی ہیں، سرمایہ دارانہ سودی نظام کو سب سے بڑا خطرہ اس چیز میں ہے کہ کہیں سرمایہ اس قدر وافر نہ ہو جائے کہ سود کو بہت کم کرنا پڑ جائے یا بالکل ہی معدوم کرنا پڑے، لہذا سود کو مستقل حیثیت دینے کے لیے ضروری ہے کہ ایسا انتظام کیا جائے کہ سرمایہ کبھی وافر مقدار میں مہیا نہ ہو سکے، اس کے لیے سب سے اہم اقدام وہ ہے، جسے بنکوں کا ریزرو کہتے ہیں چونکہ سودی نظام کی وجہ سے معاشی ناہمواری، اندرونی کھچاؤ، بیرونی دباؤ اور کساد بازاری کے خطرے ہر وقت سر پر منڈلاتے رہتے ہیں لہذا بنک اپنے پاس آنے والا سب روپیہ قرض پر نہیں دیتے بلکہ اس کا کچھ حصہ ریزرو میں رکھتے ہیں تاکہ اگر یکدم مانگ آئے تو اسے چکایا جاسکے، جتنا ریزرو اونچا ہو گا، اتنا ہی سرمایہ کی فراہمی محدود ہو گی۔ اگر ریزرو ۳۳ فیصد ہو تو بچتوں کا تین گنا قرض دیا جاسکتا ہے، اگر پچیس فیصدی ہو تو چار گنا، اگر ۲۰ فیصدی ہو تو پانچ گنا، اگر ۱۰ فیصدی ہو تو ۱۰ گنا قرض دیا جاسکتا ہے، اب مثلاً ہمارے ملک میں ۴۵ فیصدی ریزرو رکھا جاتا ہے چنانچہ دو گنا سے کچھ ہی زیادہ قرض دیا جاسکتا ہے۔

سرمایہ کی رسد میں اس مصنوعی کمی کے ساتھ ساتھ اس کی مانگ میں حکومت کے

خسارے کے بجٹ کے توسط سے اضافہ کروالیا جاتا ہے تاکہ سود کی سطح مستحکم رہے۔

سرمایہ کی مصنوعی قلت پیدا کرنے کا سب سے اہم طریقہ یہ ہے کہ بڑے پیمانے کی بچتیں سودی نظام میں جمع نہ ہو سکیں۔ بچت آمدنی سے خرچ کم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر بے روزگاری عام رکھی جائے تو جنہیں روزگار فراہم کیا جائے انہیں ان کی استعداد سے کم تر مقام پر رکھا جائے اور ضروریات زندگی کی قیمتوں کو مسلسل بڑھایا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ سہ گنا عمل بچتوں کو بڑھنے نہیں دے گا اور سرمایہ کو اپنی مصنوعی کمیابی کی قیمت ملنے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔

گویا سود ایک خود کار نظام ہے جس میں سرمایہ ہمیشہ ضرورت سے کم رہے گا تاکہ اس کی کمیابی کی قیمت اسے ملتی رہے، اس استحصال کے تسلسل میں کبھی کمی نہیں آسکتی، کیونکہ اس کے مستقبل کی حفاظت خود اس کا طریق کار کرتا ہے۔

- سولھواں پہلو یہ ہے کہ سود خوار طبقہ اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے ہر چیز کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اپنی محرومیوں کے خلاف آواز اٹھانا شروع کرتے ہیں تو سود خور انتہائی مسکین شکل بنا لیتا ہے اور منافع کو جو سود کے استحصال کا ظاہری مظہر ہے، تمام معاشی برائیوں کی جڑ کے طور پر آگے پیش کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف رد عمل بجائے سود کے خلاف مؤثر اقدام کرنے کے سوشلزم کی راہ اختیار کرتا ہے جس میں منافع کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کی ذاتی جائیداد ختم کر دی جاتی ہے اور تمام چیزیں بشمول زمین، مکان، دوکان، کارخانہ وغیرہ قومیالی جاتی ہیں لیکن لطیفہ یہ ہے کہ اصل چور کو وہاں بھی کوئی نہیں پکڑتا۔ بنک میں رکھی رقم نہ تو قومیائی جاتی ہے نہ اس پر سود کی ادائیگی بند ہوتی ہے۔ سوائے چین کے کہ وہاں ڈیپازٹ پر سود کی ادائیگی کی شرح گرا کر نصف فیصد کے قریب رکھی گئی تھی۔ روس میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو لاکھوں روبل بنکوں میں جمع رکھتے ہیں ان پر سود حاصل کرتے ہیں اور سود کی شرح بھی معقول ہے اور ابتدائی دور میں تو شرح سود مغرب کی سطح سے بھی خاصی زیادہ تھی، نتیجہ یہ ہے کہ ساری شرارت کی جڑ مواخذہ سے وہاں بھی بچ رہتی ہے اور دلیل وہاں بھی یہی ہے کہ یہ رقمیں ضبط کریں گے یا سود نہیں دیں گے تو بچتیں نہیں ہو سکیں گی۔ ایک فقرے میں صورتحال یہ ہے کہ قصور سرمایہ کرتا ہے اور سزا نفع کی تعدیم کے توسط سے سب انسانوں کو ملتی ہے کہ وہ ہر قسم کی فکری سیاسی اور شخصی آزادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ گویا سود محرومیاں

براہ راست پیدا کرتا ہے اور سرمایہ خود اس لیے محفوظ رہتا ہے، اس کے پاس بھتوں والی دلیل کا وہ صدری نسخہ ہے جس کا توڑ سوائے اسلام کے اور کسی کے پاس نہیں۔

سود کے ان سولہ نتائج سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ صرف اتنی ہی برائیاں سود میں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ علم ابھی خام ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی انتہائی کوشش ہے کہ سود پر تحقیق کرنے کے لیے ادارہ قائم نہ ہو۔ سولہ نتائج کی نشان دہی ظاہر کرتی ہے کہ ہم نے ابھی چوتھائی رستہ بھی طے نہیں کیا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے وبال تہتر (۷۳) قسم کے ہیں اور سب سے ادنی قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔

استحصال کے یہ سولہ مظاہر وہ ہیں جنہیں کلام پاک اپنی زبان میں ظلم کہتا ہے، اس ظلم اور باقی ظلموں میں گہرائی اور گیرائی دونوں پہلوؤں سے فرق ہے، یہ اللہ کی مخلوق کے منہ سے اس کا نوالہ چھینتا ہے اور پھر اس کی جگہ کسی متبادل نوالے کے آنے کا راستہ نہیں چھوڑتا جب تک انسان اپنی آزادی کو ترک اور عزت نفس کو ختم کرنے کو تیار نہ ہو۔ نوالہ چھیننے والے دوسرے کئی ظلم اور بھی ہوسکتے ہیں، لیکن چھینے ہوئے نوالہ کی جگہ دوسرا نوالہ آنے کا راستہ روکنے والا کوئی اور ظلم نہیں۔ ربا چونکہ عملاً اللہ کی ربوبیت کو چیلنج کرنے کی جرأت کرتا ہے اور اس کی رزاقی کے رستے کا روڑا اس وقت تک بنا رہتا ہے جب تک انسانیت اپنے شرف سے محروم نہ ہو جائے، لہذا یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ کا مستحق ٹھہرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ماں کے ساتھ زنا سے ستر درجے زیادہ بڑا گنا ہے۔

اب اگر ہم ان سولہ استحصالی اقدامات کا دقت نظر سے جائزہ لیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان سب کا آپس میں تدریجی ربط ہے، جیسے بیج بونے کا پودا نکلنے کے ساتھ یا پودا نکلنے کا پودا بڑا ہونے کے ساتھ اگر اس کا پہلا قدم پکڑا جا سکے تو پھر شاید باقی تمام اجزاء پر گرفت ممکن ہو جائے۔ چونکہ ہمارا مقصد سود کی جگہ سرمایہ کاری کی دوسری اساس ڈھونڈنا ہے اور چونکہ متعدد اساسیں تجویز کی گئی ہیں اس لیے انہیں قبول یا رد کرنے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ جو نتیجہ سود کی اساس پیدا کرتی ہے کہیں وہ نتیجہ ہماری مجوزہ اساس تو پیدا نہیں کرے گی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں ہماری اساس پیداواری عمل پر بوجھ بن کر اسے محدود تو نہیں کرے گی، کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گی تو اس سے وہ سب نتائج پیدا ہوں گے جو سودی نظام پیدا کرتا ہے۔ درخت کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اس کے متوقع پھل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جو اساس

پیداواری عمل کو تیز کرے گی وہ اچھی ہو گی جو سود کی طرح اس کے راستے کا روڑا بنے گی وہ بری ہو گی اور پھر سولہ کی سولہ برائیاں اس بنیادی برائی کی وجہ سے اس میں نمودار ہو جائیں گی۔ اس سے ہمارے پاس ایک فنی کسوٹی آجاتی ہے جس سے رگڑ کر ہم اپنی اساسوں کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۴

شریعت کے اصولوں سے تعارض

سطور بالا میں سود کی جو سولہ قباحتیں بیان کی گئی ہیں ان سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ شریعت نے سود کو اتنا بڑا جرم کیوں قرار دیا ہے اور کیوں سود خور کے خلاف اعلان جنگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ لیکن سود کے مفاسد یہاں ختم نہیں ہوتے۔ ان کے علاوہ بھی شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جن سے سود کا تعارض ہوتا ہے اور اگر تجارت، کاروبار اور معاشیات کی بنیاد سود پر ہو تو قدم قدم پر ہر چیز شریعت کے اصولوں سے متصادم ہوگی۔ ذیل میں چند ایسے اہم اصولوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے جو بالبداہت سود کے تصور سے متعارض ہیں اور سود کی موجودگی میں ان پر عمل در آمد کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۱) اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول جن کی وضاحت اور تشریح سے قرآن مجید اول سے لے کر آخر تک بھرا پڑا ہے، جن کے مفصل احکام سے حدیث کی درجنوں کتابیں بھری پڑی ہیں وہ یہ ہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے کفیل ہوں یعنی تکافل کا اصول، مسلمان ایک دوسرے کے مددگار ہوں یعنی تعاون کا اصول، مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ رحمدلی کا سلوک کریں یعنی تراحم کا اصول، مسلمانوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت کا ہو یعنی توادد کا اصول، یہ الفاظ قرآن وحدیث کے صفحہ صفحہ پر بکھرے پڑے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے آپس کے لین دین اور کاربار کی جو اصل بنیاد اور جذبہ محرکہ ہے وہ ایک دوسرے کی کھال کھینچنا، ایک دوسرے کا خون چوسنا اور ایک دوسرے سے کسی نہ کسی طرح اپنا مفاد حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی روح ایک دوسرے سے تعاون، ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور رحمت ہونی چاہیے۔ قرآن پاک نے ان لوگوں کو ہلاکت کی وعید سنائی ہے جو دوسروں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تلقین نہ کریں اور خود مدد کرنے کے باوجود دوسروں کو اس کے لیے تیار نہ کریں۔ اب بتائیے کہ سود خوری کا

جو بھیانک نقشہ ہم نے سطور بالا میں دیکھا ہے اس میں تکافل، تعاون، تراحم اور توادد کے اصول چہار گانہ کی کہاں اور کس طرح گنجائش ہے۔ "سود مندوں" کی تعزیرات کے تو یہ وہ سنگین ترین جرائم ہیں جن کا ان کی دنیا میں نام لینا بھی کوئی گوارا نہیں کرتا۔

(۲) قرآن مجید کا واضح طور پر حکم ہے:

وإن كان ذوعسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون.

یعنی اگر تمہارا مقروض تنگ دست اور پریشان حال ہو تو اس کو اس وقت تک مہلت دے دو جب تک اس کے پاس گنجائش نہ پیدا ہو جائے اور اگر معاف کر دو تو بہت ہی اچھی بات ہے، بشرطیکہ تمہیں اس کا علم ہو[۸]۔ یہ ہے قرآن پاک کی رو سے ایک قرض خواہ اور مقروض کے تعلق کی نوعیت اس صورت میں جب کہ مقروض بدحال، نادار اور تنگ دست ہو۔ یہاں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ بہترین صورت تو یہ ہے کہ معاف کر دو، ورنہ کم از کم مہلت تو ضرور دے دو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ قرآن کا حکم ہے اور مسلمانوں کا طرز عمل یہ ہونا چاہیے تو آج کیا کوئی بنک اور کوئی سود خوار ایسا ہے جو یہ دیکھے کہ کل جس نے اس سے قرض لیا تھا آج اس کا کاروبار ڈوب گیا ہے اس کو مہلت دے دیں اور سب مل کر مدد کریں کہ جس کا کاروبار ڈوب رہا ہے وہ سنبھل جائے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ یہاں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یہاں جونہی قرض خواہ کو شبہ ہوتا ہے کہ مقروض کا کاروبار کمزور پڑ رہا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے امکانات اس میں نہیں ہیں یا بہت کم ہیں تو سب سے پہلے بنک پہنچ جاتا ہے اور فنانس کمپنی پہنچ جاتی ہے اور سب سے پہلے اپنے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کر ڈالتی ہے۔ ہمارے ہاں جو کمپنیاں ڈوبی ہیں ان کا قصہ سب کے سامنے ہے۔ کئی صورتوں میں ایسا ہوا کہ کمپنی ٹھیک کام کر رہی تھی کسی وجہ سے انوسٹر کو شبہ ہو گیا، یا کسی کاروباری حریف نے شبہ پیدا کر دیا۔ اب بجائے مدد کرنے، ہاتھ بٹانے اور مہلت دینے کے انوسٹر سب سے پہلے آدھمکا کہ سب سے پہلے میری رقم واپس کرو میں کچھ نہیں جانتا۔ اب دیکھیے ایک طرف قرآن مجید یہ کہتا ہے تم جب کسی کو قرض دو تو تمہارا جذبہ آپس میں رحمدلی تعاون اور محبت کا ہونا چاہیے اور اگر مقروض کے پاس گنجائش نہ ہو تو اسے مہلت دے دو اور اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو معاف کر دو۔ دوسری طرف یہ سود خوارانہ ذہنیت ہے کہ سرمایہ دار سب سے پہلے اپنا پنجہ لے کر پہنچ جائے اور ایک غریب کا گلا دبا دے کہ اس کا دم اگر نہ بھی نکلتا ہو تو نکل جائے۔

(۴) دولت کے پھیلاؤ کے بارے میں قرآن پاک کا واضح اصول ہے کہ:
کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم

یہ مال و دولت کی گردش صرف مال داروں ہی میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ ہر طبقہ میں موجود رہے[۹]۔ معاشرہ کا ہر طبقہ دولت سے مستفید ہو اور وہ ہر طبقہ میں پھیلے۔ جس طرح انسانی جسم میں خون ہر لحہ دل سے نکلتا ہے اور بدن کے گوشے گوشے اور رگ رگ تک پہنچتا ہے۔ اس طرح سے دولت کو اجتماعی جسم کی رگ رگ اور گوشہ گوشہ تک پہنچنا اور مسلسل پہنچتے رہنا چاہیے۔ اس معاشی ہدف کو حاصل کرنے کے لیے شریعت نے بہت سے احکام دیئے ہیں جن کا مقصد ارتکاز دولت کے امکانات کا سدباب کرنا اور موجودہ دولت کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے۔ اس کے برعکس سود کا سارا چکر ہی ایک ہدف پہ گھومتا ہے اور وہ دولت کے زور پر مزید دولت اور مزید دولت کے بل پر مزید تر دولت حاصل کرتے چلے جانا تا آنکہ معاشرہ کی ساری دولت سمٹ کر چند سود خواروں اور بڑے بڑے دو چار مہاجنوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ سود کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ دولت کو جگہ جگہ سے چوس کر اور ہر گوشہ سے کھینچ کر جمع کیا جائے۔ بجائے اس کے کہ یہاں سے آگے جا کر وہ پھیلے سودی نظام کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں دولت تھوڑی بہت موجود ہے وہ بھی جمع ہو جائے۔ اب دیکھیے ہمارے ہاں بینکوں میں جو سود رائج ہے وہ کس طرح اس مقصد کو حاصل کرتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی آمدنی والے لوگ اپنا تھوڑا تھوڑا سرمایہ اپنا پیٹ کاٹ کر بینکوں میں رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح ملک کے لاکھوں آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی آمدنیاں آکر دولت کے ایک بڑے تالاب میں جمع ہو جاتی ہیں۔ دولت کے اس بڑے تالاب کو چند بڑے سرمایہ دار کنٹرول کرتے ہیں۔ بظاہر کہا یہ جاتا ہے کہ اس سرمایہ سے کاروبار کے لیے قرضے دیئے جائیں گے اور یہ ساری دولت معاشرہ کے مشترک مقاصد کے لیے خرچ ہو گی۔ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بنکوں سے قرض لے کر کاروبار کرنا عام آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ ہر بنک قرضہ دینے سے قبل لاکھوں روپے کی گارنٹی مانگتا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کا پہلے سے کاروبار اتنی مالیت کا ہو تو آپ کو اتنا قرض مل سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بنک سے صرف وہ آدمی قرض لے سکتا ہے جو پہلے سے لاکھوں کروڑوں روپے کی گارنٹی رکھ سکتا ہو۔ یعنی قرضہ اسے مل سکتا ہے جو پہلے سے لاکھوں کروڑوں روپیہ کی جائیداد کا مالک ہو۔ مثلاً ۲۵ لاکھ روپیہ کی جائیداد کی گارنٹی پر مزید پچیس لاکھ روپے قرض

مل گیا۔ گویا جس سرمایہ دار کے پاس پہلے پچیس لاکھ تھے اب وہ پچاس لاکھ کا مالک ہو گیا۔ اسی طرح اگر وہ دوبارہ قرض لے تو اس کے پاس ایک کروڑ روپیہ جمع ہو گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دس پندرہ سال کے اندر اندر امیر امیر تر بن گیا اور غریب غریب تر۔ جو تھوڑی بہت دولت معاشرہ میں موجود تھی وہ کھچ کر چند ہاتھوں میں سمٹ آئی۔ پھر جیسے گدھ بیٹھے رہتے ہیں کہ کون ابھی مرنے والا ہے اور کون آخری دموں پر ہے اور جیسے ہی روح نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو گدھ پہلے پہنچ جاتا ہے اس طرح سے سود خوار یہ دیکھتا رہتا ہے کہ جو لوگ کاروبار کر رہے ہیں ان میں سے کون ہے جو تھوڑا سا کمزور ہو رہا ہے جیسے ہی کوئی کمزور پڑتا ہے اس پر سب بیک وقت جا کے سوار ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے غریب کی جائیداد بندر بانٹ ہو جاتی ہے۔ اب وہ کاروباری تو گیا جہنم میں! اور اس کا رہا سہا روپیہ اور بچے کھچے وسائل پھر ان چند سرمایہ داروں کے پاس آ گئے۔

(۴) قرآن مجید کا معمولی سا مطالعہ رکھنے والا ایک عام انسان بھی یہ جانتا ہے کہ اس کتاب نے جگہ جگہ خرچ کرنے کی تلقین کی ہے اور بچا بچا کر رکھنے کو ناپسند ٹھہرایا ہے [۱۰]۔ قرآن پاک کا آغاز ہی اس اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان تقویٰ شعار مومنین کے لیے راہ ہدایت ہے جن کی ایک نمایاں صفت خرچ کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ساٹھ سے زائد مقامات پر خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور خرچ کرنے کو اہل ایمان کا اہم وصف قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے بہت سے مقامات پر فی سبیل اللہ کی قید بھی نہیں ہے بلکہ صرف خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جائز مدات میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

اس کے برعکس قرآن پاک کی درجنوں آیات میں بچا کر رکھنے اور دولت جمع کرنے کو کفار و مشرکین اور خدا کے باغیوں کی عادت بتایا گیا ہے [۱۱]۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ کا عمومی مزاج بچت کرنے کا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا ہے۔ یہاں کسی واقعی، حقیقی اور شخصی ضرورت کی خاطر کچھ رقم پس انداز کر رکھنے کے بارے میں کوئی فتویٰ دینا مقصود نہیں ہے، بلکہ اسلامی معاشرہ کے حقیقی رجحان اور مزاج کی نشاندہی مقصود ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ کے برعکس ایک سودی معاشرہ کا رجحان بچت اور زر اندوزی کا ہوتا ہے۔ سودی نظام کا بنیادی کلیہ اور اصل الاصول ہی یہ ہے کہ بچت کرنا اور زر اندوزی کرنا بہت بڑی معاشی نیکی ہے اور معاشرہ کا یہ فرض کفایہ ہے کہ وہ اس نیکی کے لیے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرے۔ ان سہولتوں میں سب سے بڑی اور سب سے اہم سہولت بچتوں

پر زیادہ سے زیادہ نفع اور فائدہ پہنچانا ہے۔ اگرچہ بہت سے ماہرین معاشیات نے نظری اور تجرباتی دونوں اعتبار سے اس بات کا غلط ہونا ثابت کر دیا ہے پھر بھی سود خواری پر مبنی مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام بچتوں پر منافع کو بچت کے لازمی محرک اور ترغیب کے طور پر پیش کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کراتا رہتا ہے کہ اگر بچتوں پر منافع نہ دیا جائے تو بچتیں نہیں ہوں گی اور بچتیں نہیں ہوں گی تو سارا معاش درہم برہم ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اسلامی تعلیمات میں بچتوں کے بجائے انفاق کو معاشی سرگرمیوں کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انفاق معاشی سرگرمی کو وسعت اور سرعت عطا کرتا ہے۔ جب ایک شخص روپیہ خرچ کرتا ہے تو وہ تجارت کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے اس سے کئی آدمیوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے، کاروبار کو، مہمیز ملتی ہے، دولت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں اور دوسرے سے تیسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی ہے۔ اس سے دولت کی سرکولیشن تیز ہوتی ہے جو معاشی صحت مندی کی علامت ہے۔

جہاں تک اس مفروضہ کا تعلق ہے کہ شرح سود بڑھنے سے بچتیں بڑھتی ہیں یہ بھی کئی ماہرین معاشیات نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ لارڈ کنیز نے ثابت کر دیا ہے کہ بچت کا انحصار سود کی بڑھوتری پر نہیں بلکہ آمدنی کی سطح پر ہے اور آمدنی کا انحصار تجارتی اور پیداواری عمل کی سرعت اور وسعت پر ہے۔ لہذا پتا چلا کہ انفاق ہی دراصل معاشی کامیابی کی کنجی ہے۔

(۵) شریعت کا طے شدہ اصول جس سے مسلمانوں کے تمام فقہی مکاتب اتفاق کرتے ہیں وہ نفع اور نقصان کے باہمی ربط کا اصول ہے۔ جو اس مشہور حدیث نبوی پر مبنی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے: الخراج بالضمان۔ یعنی تم اس چیز کا فائدہ اٹھا سکتے ہو جس کے ممکنہ نقصانات کی تلافی اور بوجھ تمہارے ذمے ہے[۱۲]۔ مختلف فقہا اور مختلف محدثین نے اس اصول کو اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس میں کسی شیعہ، سنی، دیوبندی یا بریلوی کا کوئی اختلاف نہیں ہے سارے مسلمان شریعت کے اس اصول پر متفق ہیں کہ جس چیز کے نقصان کی ادائیگی کے آپ ذمہ دار نہیں بنتے اس چیز پر آپ کو نفع لینے کا کوئی حق نہیں۔ اگر آپ کاروبار میں حصہ لے رہے ہیں تو آپ کو یہ خطر (رسک) انگیز کام کرنا پڑے گا کہ اگر آپ کا کاروبار ڈوب جائے تو اس کا سارا نقصان بقدر حصہ آپ خود برداشت کریں گے۔ اس صورت میں آپ اس کاروبار کا نفع بھی لے سکتے ہیں، جتنا نفع بھی آپ کو

کھلی مارکیٹ میں ملتا ہے وہ آپ لے لیجیے۔ لیکن یہ بات کہ آپ کا روپیہ محفوظ رہے اور وہ ہر صورت میں آپ کو واپس ملے چاہے کاروبار چلے یا نہ چلے یہ چیز شریعت کے مذکورہ بالا اصول کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ یہ اصول شریعت میں بار بار بیان ہوا ہے۔ آپ نے سنا ہو گا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مولوی لوگ بڑے بے وقوف ہیں: کرایہ مکان کو تو جائز کہتے ہیں اور سود کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر ایک جائیداد کسی کو کرایہ پر استعمال کے لیے دی جائے اور اس کا کرایہ وصول کیا جائے تو جس اصول کے تحت یہ کرایہ جائز ہے اس اصول کے تحت اگر کسی کو سرمایہ استعمال کے لیے دیا جائے تو اس کا کرایہ بھی جائز ہونا چاہیے، وہ آخر جائز کیوں ہے؟ یاد رہے کہ یہ مغالطہ غلط فہمی پر مبنی ہے یا بدیانتی پر۔ واضح ہونا چاہیے کہ کرایہ مکانات اور سرمایہ پر سود یہ دونوں چیزیں بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ قرض اس چیز کا دیا جا سکتا ہے جس کی ذات کو خرچ (Consume) کیا جا سکے۔ جیسے روپیہ، پیسہ، سونا، چاندی، گندم، چینی وغیرہ۔ اس کے برعکس جو چیزیں بار بار استعمال کرنے کی ہیں اور ایک ہی شخص ان کو بار بار استعمال کرتا ہے ان کو عاریتاً تو دیا جا سکتا ہے بطور قرض نہیں دیا جا سکتا۔ جیسے مکان، زمین، کار، کتاب، قلم اور استعمال کی دوسری چیزیں۔ لہذا سونے چاندی وغیرہ میں تو سود ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ بطور قرض دیے جا سکتے ہیں لیکن زمین جائیداد وغیرہ میں سود نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ استعمال کے لیے تو دیے جا سکتے ہیں بطور قرض نہیں دیئے جا سکتے[۱۳]۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر جائیداد کسی زلزلہ یا کسی حادثہ میں ضائع ہو جائے یا اس کو نقصان پہنچ جائے تو وہ نقصان جائیداد کے مالک کا نقصان متصور ہو گا۔ کرایہ دار کا نقصان متصور نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس جو شخص قرض پر روپیہ لے کر کاروبار کرتا ہے تو اگر کاروبار ڈوب جائے تو مقروض کو ہر حالت میں قرض خواہ کو سرمایہ واپس کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ یہاں اس روپیہ کا رسک روپیہ کے اصل مالک کا نہیں بلکہ کاروبار کرنے والے مقروض کے ذمہ ہے لہذا دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شریعت کے نقطہ نظر سے یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔

(۶) ایک اور اہم چیز جو ممکن ہے ماہرین معاشیات کو عجیب لگے اور ناقابل عمل قرار دی جائے

لیکن بہرحال شریعت میں ایسا ہی ہے۔ دین سے معمولی سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ نے خود بھی قرض سے پناہ مانگی ہے اور امت کو بھی یہی دعا مانگنے کی تعلیم دی کہ اے اللہ قرض سے مجھے بچا۔ قرض کی ناپسندیدگی کا ہر جگہ اظہار کیا گیا ہے۔ اس لیے اسلام میں کاروبار کی بنیاد شراکت پر ہے قرض پر نہیں۔ اسلام میں تجارت پارٹیسپیشن کی بنیاد پر ہے جس میں فریقین ایک معاہدہ کے مطابق کاروبار میں شریک ہوتے ہیں اور نفع نقصان دونوں میں شرکت کرتے ہیں قرض پر مبنی کاروبار اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ آج جتنا بھی سودی کاروبار ہے یہ سارا کا سارا مبنی بر قرض ہے۔ ایک شخص ۲۵ کروڑ روپے روزانہ نفع کما رہا ہے۔ لیکن اس میں اس کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ بنکوں سے قرض لے رکھا ہے، اگر قرض ڈوب گیا تو بنکوں کے کھاتہ داروں کا سرمایہ ڈوب گیا اور بنک فیل ہو گیا۔ اب کھاتے دار روتے پھرتے ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ بی سی سی آئی اور ہمارے ملک کی فائنانس کمپنیوں اور کوآپریٹو کمپنیوں کی دردناک مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں مالکان نے کروڑوں روپیہ کمایا، یعنی نفع لینے کے لیے تیار تھے لیکن اگر کاروبار ڈوب جائے تو اس میں ان کا ذاتی نقصان کوئی نہیں بلکہ سارا نقصان فنانس کمپنی کے کھاتے میں ڈال کر خود پنجہ جھاڑ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے اور کسی دوسری کمپنی کی داغ بیل ڈالنی شروع کر دی تاکہ یہی ڈرامہ دوبارہ دہرایا جائے۔ یہ چیز شریعت کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ شریعت جس قسم کا کاروبار جائز قرار دیتی ہے وہ مبنی بر قرض نہیں بلکہ مبنی بر مشارکت ہے۔

یہاں نامناسب نہ ہو گا اگر کاروبار مبنی بر سود اور کاروبار مبنی بر شراکت کا فرق واضح کر دیا جائے۔ (یہ اعتراف کرنا بھی ضروری ہے کہ اس فرق کی وضاحت میں محترم جناب خالد اسحاق صاحب کی ایک فاضلانہ تحریر سے استفادہ کیا گیا ہے):

- شراکت میں سرمایہ لگانے والا معاشرہ کے پیداواری عمل میں خود براہ راست شریک ہوتا ہے جبکہ سود خوار سرمایہ کی سرکولیشن روک کر صرف سود وصول کرنے سے دلچسپی رکھتا ہے اس کو پیداواری عمل سے دلچسپی نہیں ہوتی۔
- شراکت میں سرمایہ لگانے والا نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے۔ لیکن سود خوار صرف اپنے نفع سے دلچسپی رکھتا ہے اور وہ اس کو مع اصل زر وصول کر کے چھوڑتا ہے۔ اس کو نقصان کی ذرہ برابر فکر نہیں ہوتی۔

- شراکت میں سرمایہ لگانے والا دوسروں کی مشکلات میں کام آتا ہے جبکہ سود خوار مشکلات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔
- شراکت میں سرمایہ لگانے والا پیداواری کام میں شرکت کے لیے ہمہ وقت آمادہ اور تیار رہتا ہے لیکن سود خوار اس عمل سے باہر رہتا ہے۔
- شراکت میں سرمایہ لگانے والا یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کی بچتوں میں معاشرہ کا بھی حق ہے لیکن سود خوار سرمایہ دار ایسا کوئی حق تسلیم نہیں کرتا۔
- شراکت میں سرمایہ لگانے والا کسی کے خلاف اپنے کسی غیر مشروط، مطلق اور مستقل حق کا مدعی نہیں ہوتا جبکہ سود خوار پورے معاشرہ کے خلاف اپنا حق جتاتا ہے اور چاہے سارا معاشرہ افلاس اور بھوک کا شکار ہو جائے اور ساری کاروباری دنیا کساد بازاری کا شکار ہو اس کو اپنے اصل اور سود کی وصولیابی سے دلچسپی ہوتی ہے۔
- شراکت میں سرمایہ لگانے والا تبادلہ زر کی تجارتی اور اقتصادی اہمیت کو سمجھتا اور تسلیم کرتا ہے لیکن سود خوار کو اس کی سرے سے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔
- شراکت سے پیداوار کے عمل میں مدد ملتی ہے۔ سود خوار پیداوار کے معاملہ میں لاتعلق رہتا ہے۔
- شراکت دار دولت کے باب میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے آمادہ رہتا ہے جبکہ سود خوار اس طرح کی ہر ذمہ داری سے لاتعلق رہتا ہے۔
- شراکت دار جائز اور کھلے طریقے اپناتا ہے اور اس کو جوا، قمار، سٹہ اور دوسرے استحصالی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، جبکہ سود خوار کو کمانے اور وصول کرنے سے غرض ہوتی ہے، اس کو جائز اور ناجائز کی پرواہ نہیں ہوتی۔
- شراکت دار کو وقت کی کمی بیشی کی بنیاد پر کوئی مفاد یا نفع نہیں ملتا، لیکن سود کا سارا دارومدار وقت اور مہلت کی کمی بیشی پر ہے۔
- شراکت دار اگر یہ محسوس کرے کہ اس کا شریک مشکل اور تنگی کا شکار ہے تو وہ مہلت دے دیتا ہے لیکن سود خوار ایسی کوئی مہلت نہیں دیتا۔

۵

چند شبہات و اعتراضات

اگرچہ صفحات بالا میں ربا اور سود کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے بعد یہ گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ کسی مسلمان اور خاص طور پر کسی صحیح الفہم اور سلیم الطبع مسلمان کے ذہن میں کچھ شبہات و اعتراضات پیدا ہوں اور وہ اس بارے میں تردد کرے کہ کیا واقعتاً شریعت نے ربا کی رائج الوقت صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ان شبہات کی وجہ سے (جو افسوس ہے کہ بار بار اور طرح طرح سے دہرائے جا رہے ہیں) کچھ حلقوں میں واقعتاً غلط فہمیاں پائی جا رہی ہوں اس لیے ذیل میں ان شبہات کا جواب بھی بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) قرآن پاک میں ربا کی تعریف کا نہ ہونا:

ایک بات جو بار بار کئی حلقوں کی طرف سے دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے ربا کی کوئی تعریف نہیں کی اور اس اہم چیز کو حرام قرار دینے کے باوجود غیر مبین (Undefined) چھوڑ دیا ہے۔ اس کے معنی ان حلقوں کے نزدیک یہ ہیں کہ قرآن پاک ربا کی کوئی متعین اور طے شدہ تعریف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے یہ گنجائش باقی رہنے دی کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے زمانہ اور حالات کی رعایت کرتے ہوئے ربا کی از سرِ نو تعریف کر سکیں۔ اس تمہید کے بعد یہ حلقے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بنک انٹرسٹ کو ربا قرار دینا یا نہ قرار دینا ہماری اپنی صوابدید پر مبنی ہے اور ہمارے حالات اور مصالح کا تقاضا ہے کہ بنک انٹرسٹ کو ربا نہ سمجھا جائے اور قرآنی ربا کو صرف روایتی مہاجنی سود تک محدود رکھا جائے۔

اس پوری دلیل میں اصل کانٹے کی بات یہ ہے کہ قرآن پاک نے ربا کی تعریف نہیں کی۔ قبل اس کے کہ اس بات کا جواب دیا جائے یہ یاد دلانا بے محل نہ ہو گا کہ قرآن پاک نے کسی چیز کی بھی فقہی، قانونی یا فنی انداز کی تعریف نہیں کی۔ قرآن پاک نے بار بار اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا لیکن

کہیں بھی صلاۃ کی تعریف بیان نہیں کی۔ زکوۃ ادا کرنے کی تاکید کی لیکن کہیں بھی زکوۃ کی فقہی تعریف نہیں کی۔ زنا کو جرم قبیح قرار دیا لیکن کہیں بھی زنا کی قانونی تعریف نہیں کی۔ بیع کو جائز ٹھہرایا لیکن کہیں بھی بیع کی فنی تعریف سے تعرض نہیں کیا۔ مذکورہ بالا استدلال کی بنیاد پر کیا یہ کہا جائے کہ قرآن پاک میں صلاۃ، زکوۃ، زنا، بیع اور اس جیسی بہت سی اصطلاحات کا متعین اور طے شدہ مفہوم نہیں ہے اور ہر زمانہ اور علاقہ میں ان کا نیا مفہوم متعین کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بالبداہت غلط ہے اسی طرح یہ بات بھی بالبداہت غلط ہے کہ چونکہ قرآن پاک نے کہیں بھی کمپنیز آرڈیننس کے انگریزی اسلوب کے مطابق ربا کو Define نہیں کیا اس لیے ربا کا قرآن کی نظر میں کوئی طے شدہ مفہوم نہیں ہے بلکہ اس نے محض ایک مبہم، غیر متعین اور غیر واضح عمل کے ارتکاب پر بلاوجہ ہی اعلان جنگ سنا دیا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ قرآن پاک کا اسلوب ایک عام فنی کتاب کی پیشہ ورانہ اصطلاحی زبان سے بہت مختلف ہے۔ وہ نہ علم قانون کی فنی زبان میں ہے اور نہ کسی اور علم کی اصطلاحی زبان وہ اختیار کرتا ہے۔ مسائل کے بارے میں راہنمائی فراہم کرنے کا اس کا ایک منفرد اسلوب ہے۔ وہ طرح طرح سے جزوی مثالیں دے کر اخلاقی اصولوں کا حوالہ دے کر، پچھلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے، سابقہ منحرفین کے انجام کی یاد دلا کر ایک چیز کو ذہن نشین کراتا ہے اور پھر اس کی عملی شکل انفرادی طور پر سنت رسول ﷺ کے ذریعہ اور اجتماعی طور پر جماعت صحابہ کرامؓ کے عمومی طرز عمل کے ذریعہ ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان تینوں مصادر کو سامنے رکھنے سے ہمارے سامنے کسی معاملہ کی مکمل تصویر آتی ہے۔ کسی ایک آیت یا ایک حدیث کو لے کر بقیہ تمام نصوص و سنن سے صرف نظر کر لینا صحیح طرز اجتہاد نہیں ہے۔

جوں ہی ہم ان تینوں مصادر میں موجود احکام کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں ہمارے سامنے فوراً ربا کا ایک واضح تصور آ جاتا ہے۔ جس کے بنیادی عناصر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ یعنی کسی بھی واجب الادا رقم میں صرف اس لیے اضافہ کہ ادا کرنے والا مزید مہلت کا خواہاں ہے ربا کہلاتا ہے۔ یعنی وہ اضافہ جس کے بالمقابل نہ محنت ہو، نہ کوئی مال ہو، نہ کوئی خطرہ (رسک) ہو اور نہ کوئی فنی مہارت ہو جو محنت ہی کی ایک شکل ہے ربا قرار دیا جائے گا۔ یہاں ہم نے واجب الادا رقم کی اصطلاح استعمال کی ہے جو عربی لفظ دین کا ترجمہ ہے جو انگریزی اصطلاح Debt کا مترادف ہے۔ اس میں نقد رقم (مثلاً کرنسی، زر، سونا چاندی وغیرہ) بھی شامل ہے اور تمام مثلی چیزیں بھی شامل ہیں جو بارٹر لین دین میں بطور ثمن استعمال ہوتی رہی ہیں۔ مثلی سے مراد فقہ اسلامی کی اصطلاح میں وہ

اشیاء ہیں جن کے افراد (یونٹوں) کے مابین اتنی گہری مماثلت پائی جاتی ہو کہ بازار میں پائے جانے والے تمام افراد (یونٹوں) کے سائز، مالیت اور بازاری قیمت میں کوئی خاص قابل ذکر فرق نہ پایا جاتا ہو اور ایک یونٹ کی جگہ دوسرا یونٹ عام طور پر لین دین میں چل جاتا ہو۔ اس طرح کی مثلی چیزوں میں بھی اگر لین دین میں کمی بیشی ہو گی تو اس کو ربا قرار دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بہت سی چیزوں میں کمی بیشی اور ادھار کو ربا قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک بہت مشہور روایت میں سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجوروں کے آپس میں لین دین میں کمی بیشی اور ادھار کو آپ نے ربا قرار دے کر منع فرما دیا ہے[۱۴]۔

(۲) حرمت ربا کا اضعافاً مضاعفتاً تک محدود ہونا:

بعض حضرات ربا سے متعلق تمام دیگر آیات و احادیث کے ذخیرہ سے صرف نظر کر کے صرف اس ایک آیت پر تصور ربا کی بنیاد اٹھاتے ہیں جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اے ایمان والو چند در چند (اضعافاً مضاعفہ) سود مت کھاؤ، اس کا مفہوم وہ یہ نکالتے ہیں کہ مرکب سود یا کمپاؤنڈ انٹرسٹ تو حرام ہے لیکن مفرد، عام یا سادہ یعنی سمپل انٹرسٹ حرام نہیں ہے۔ اگرچہ قرآن و سنت کی دیگر نصوص کے پیشِ نظر اس مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سود چاہے وہ مرکب ہو یا مفرد بہر صورت حرام ہے اس لیے کہ جو خرابیاں اضعافاً مضاعفہ میں پائی جاتی ہیں وہ مفرد سود میں بھی پائی جاتی ہیں (صرف ڈگری اور درجہ کا فرق ہے) لیکن اس شبہ کا جواب دینا بھی ضروری ہے اس لیے مختصر طور پر درج ذیل گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

قرآن پاک کا ایک معروف اسلوب ہے کہ وہ بعض اوقات کسی جرم کی شناعت اور قباحت کو نمایاں کرنے کے لیے ایسی قیود بھی بیان کرتا ہے جو جرم کا لازمی عنصر نہیں ہوتیں، ان کا مقصد صرف قاری کے ذہن میں اس کی کراہیت کا پختہ تصور پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ لاتقتلوا أولاد كم خشية إملاق فقر و فاقہ کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو (الاسراء: ۳۱) اس کے یہ معنی نہیں ہیں اور نہ کوئی عاقل و فہیم شخص اس کا یہ مفہوم لے سکتا ہے کہ کسی اور وجہ سے اولاد کو بے شک قتل کر دو لیکن فقر و فاقہ کے خوف سے نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں فقر و فاقہ کے خوف کا ذکر عربوں کی اس مکروہ رسم کی کراہیت کو ذہن نشین کرانے کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیا کرتے تھے اور بہانہ یہ بتاتے تھے کہ لڑکیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں، ان پر کیوں پیسہ برباد کیا جائے اور کیوں ان کی پرورش کی جائے۔

یہ اسلوب قرآن پاک ہی کا نہیں، حدیث پاک کا بھی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ کبائر کے ذکر میں فرمایا گیا: ان تزانی حلیلہ جارک (یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرو) ظاہر ہے کہ اس کا یہ مفہوم کوئی عاقل انسان نہیں لے سکتا کہ محلہ دار کی بیوی سے بدکاری تو گناہ کبیرہ ہے لیکن دوسرے محلہ کے کسی شخص کی بیوی سے بدکاری گناہ کبیرہ نہیں۔ یہاں پڑوسی کی بیوی کا لفظ صرف غیرت دلانے اور جرم کی شناعت کی طرف توجہ دلانے کی خاطر استعمال کیا گیا۔

قرآن و حدیث کے علاوہ یہ اسلوب عام بول چال میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آپ ننھے بچے سے کہتے ہیں کہ بیٹا بڑی بہن کو نہیں مارتے، یا مسجد میں چوری نہیں کرتے یا اسکول میں شرارت نہیں کرتے تو اس کا یہ مفہوم کوئی ننھا بچہ بھی نہیں لیتا کہ بڑی بہن کو تو مارنا برا ہے لیکن دوسری لڑکیوں کو مارنا درست ہے۔ مسجد میں چوری کرنا برا اور باہر چوری کرنا اچھا ہے یا اسکول میں شرارت کرنا بری بات اور باہر شرارت کرنا اچھی بات ہے۔

اسی اسلوب کے تحت قرآن پاک نے یہاں دوگنے چوگنے سود کی حرمت بیان کر کے اس کے ایک پہلو کی شناعت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لہذا یہ قید احترازی نہیں اتفاقی ہے۔

(۳) نئے اجتہاد کی ضرورت:

ایک عجیب و غریب بلکہ اگر محسوس نہ فرمایا جائے تو مضحکہ خیز بات یہ کہی جا رہی ہے کہ آج تجارتی سود یعنی کمرشل انٹرسٹ کو ختم کر ڈالنے سے بہت سے مشکلات پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس لیے اس باب میں نئے "اجتہاد" سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں خاص طور پر اخبارات میں اس قدر لے بلند کی جا رہی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو اجتہاد کا مطلب ہی شریعت میں حسب منشا کتر بیونت کرنا ہے اور دوسرے اگر آج بنک انٹرسٹ کو حلال نہ کیا گیا تو نہ معلوم کیا افتاد آن پڑے گی۔

نہ معلوم اجتہاد کے بارے میں یہ غلط فہمی کیسے اور کہاں سے آئی کہ اس کا مطلب حسب ضرورت احکام شریعت میں ردّ و بدل ہے۔ حالانکہ اجتہاد اس کے بالکل برعکس نام ہے اس انتہائی کوشش و کاوش کا جو ایک فقیہ اور قانون دان اپنی انتہائی بصیرت اور دیانت دارانہ رائے کے مطابق اس غرض کے لیے کرتا ہے کہ کسی نئی صورت حال میں شریعت کا منشا معلوم کیا جائے۔ بالفاظ دیگر شریعت کے احکام کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دریافت کرنے کی کوشش کرنا کہ اگر یہ نئی صورت حال رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں پیش آتی تو آپ اس کا کیا حل تجویز فرماتے۔ ظاہر بات

ہے کہ یہ سوال ان احکام کے بارے میں پیدا ہی نہیں ہوتا جو پہلے سے قرآن پاک اور سنت رسول میں صراحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں[۱۵]۔

اب جہاں تک حرمت ربا کا تعلق ہے تو وہ اتنی صراحت و وضاحت سے کتاب و سنت میں تکرار کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ اس میں کسی تردد یا تامل کی گنجائش موجود نہیں ہے کہ اس کے بارے میں دو رائیں ہو سکیں۔ اگر ایسے محرمات کے بارے میں بھی تردد یا تامل کی گنجائش پیدا کرنے کی کوششیں کی جانے لگیں تو اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اب اسلام قابل قبول نہیں اس لیے کہ اس سے کچھ لوگوں کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے۔

(۴) کرایہ مکانات پر قیاس:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کچھ حضرات بار بار یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر مکانات اور دوسری جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے تو آخر سرمایہ کا کرایہ کیوں وصول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ سود کا اصل مفہوم اور علت حرمت نہیں سمجھتے۔ سود کا اصل مفہوم جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا یہ ہے کہ کسی واجب الادا رقم میں کسی معاوضہ (محنت، مال، خطرہ) کے بغیر محض وقت اور مہلت کے مقابلہ میں کسی مشروط اضافہ کا مطالبہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کرایہ مکان پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کرایہ مکان تو معاوضہ ہے اس منفعت کا جو ایک شخص مکان سے اٹھاتا ہے اور پھر مکان جوں کا توں اس کو واپس کر دیتا ہے۔ مکان کو خرچ نہیں کرتا استعمال کرتا ہے۔ جبکہ روپیہ کو خرچ کیا جاتا ہے استعمال نہیں کیا جاتا۔ مکان، جائیداد وغیرہ استعمالی اشیاء ہیں جن میں ربا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سونا، چاندی، روپیہ، گندم، نمک، جو، استہلاکی اشیاء ہیں جن کو خرچ کیے بغیر ان سے مستفید نہیں ہوا جا سکتا۔ لہذا ان میں ربا ہوتا ہے پھر مکانات اور جائیدادیں قیمی ہوتی ہیں جن میں ربا نہیں ہوا کرتا اور روپیہ، سونا، چاندی، مثلی ہوتے ہیں جن میں ربا ہوتا ہے۔

مزید برآں حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ربح مالم يضمن[۱۶]۔

رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز کا منافع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا خطرہ انگیز نہ کیا گیا ہو۔ اس اصول کی روشنی میں کرایہ پر مکان دینے والا شخص مکان کو پہنچ سکنے والا ہر خطرہ انگیز کرتا ہے اس لیے وہ اس سے حاصل ہونے والے منافع اور فوائد کا بھی حقدار ہے۔ لیکن روپیہ قرض دینے

والا شخص اس رقم پر کوئی خطرہ انگیز نہیں کرتا بلکہ وہ محفوظ ہوتی ہے اور مقروض کو لازماً ادا کرنی ہوتی ہے۔ اس لیے قرض خواہ اس پر کوئی نفع لینے کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

(۵) اضطرار:

ایک اور دلچسپ عذر سود کے تحفظ کا یہ پیش کیا جارہا ہے کہ اس وقت ملک و قوم ایک اضطراری کیفیت کا شکار ہیں اور اضطرار میں قرآن پاک نے حرام کھانے کی بھی اجازت دی ہے لہذا موجودہ حالات میں سود جائز ہونا چاہیے۔ معلوم نہیں یہ بات ارشاد فرمانے والے حضرات سنجیدگی سے ایسا فرما رہے ہیں یا بر سبیل مزاح وہ یہ بات کہتے ہیں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں یہ ایک قابل افسوس رویہ ہے۔ سنجیدگی کی صورت میں کہنے والے حضرات کی عقلی اور فکری سطح پر افسوس ہوتا ہے اور بر سبیل مزاح کہنے والوں کے اس رویہ پر جو انہوں نے قرآن و سنت کی نصوص قطعیہ کے بارے میں اپنایا ہوا ہے۔ یہاں ان گزارشات کے مخاطبین صرف اول الذکر حضرات ہیں اس لیے کہ آخر الذکر حضرات کے حق میں سوائے دعا اور اظہار افسوس کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

اضطرار سے مراد شریعت کی اصطلاح میں وہ کیفیت ہے جس میں کسی شخص یا اشخاص کی جان، مال، خاندان، عقل، آبرو یا دین کو ایسا شدید خطرہ لاحق ہو جس میں یہ بات یقینی اور حتمی ہو کہ اگر فوری مداوا نہ کیا گیا تو ان میں سے کوئی ایک چیز فوری طور پر تباہی اور بربادی کا شکار ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر کوئی شخص دوران سفر اتنی شدید پیاس کا شکار ہے کہ اگر فوراً چند گھونٹ پانی کے اس کے حلق میں نہ ٹپکائے گئے تو فوری طور پر اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں اگر پانی یا کوئی اور جائز مشروب دستیاب نہ ہو تو شراب کے چند گھونٹ پلا کر جان بچا لینا جائز ہے۔ لیکن جہاں قرآن پاک کی اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانا مقصود ہو اور ناگزیر ضرورت سے زیادہ حرام مال کا استعمال کیا جائے۔ مثلاً اگر تین گھونٹ شراب سے جان بچ سکتی ہو تو چار گھونٹ جائز نہ ہوں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج ہمارے سود خواروں میں کوئی ایسا ہے جو اضطرار کی اس کیفیت میں مبتلا ہو کہ اگر سود خواری سے بچنے لگا تو جان چلی جائے گی یا جائز کمائی برباد ہو جائے گی۔ یا اگر حکومت آج سودی اسکیمیں ختم کردے تو لوگ مرنے لگ جائیں گے یا ان کی جائیدادوں کو فوراً آگ لگ جائے گی؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر اضطرار کی دہائی دینا کیا معنی۔ البتہ اگر ملک کے دفاع کے ضمن میں بعض ایسی ناگزیر اشیا کا حصول مقصود ہو جن کے

حصول پر ملک و ملت کا دفاع موقوف ہے اور ان کا غیر ممالک سے حصول بلاسودی لین دین کے ممکن نہ ہو تو شاید اضطرار کا اصول کام دے سکے اس لیے کہ اسلامی ریاست کا دفاع شریعت کے بنیادی اہداف میں سے ہے۔

(٦) کسی بلو پرنٹ (مفصل نقشہ کار) کا نہ ہونا:

ایک اور بات یہ کہی جارہی ہے کہ سود کے خاتمہ کا کوئی مفصل نقشہ کار موجود نہیں ہے لہذا اس لیے فوری طور پر سود کو ختم کر کے متبادل صورتیں اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ممکن ہے اس عذر میں کوئی وزن ہوتا اگر سود کے خاتمہ کی بات آج یکایک سامنے آگئی ہوتی۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہے۔ سود کے خاتمہ کے مطالبات اور اس باب میں ریاست پاکستان کی کمٹ منٹ اتنی ہی پرانی ہے جتنا خود وطن عزیز کا وجود۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کی مراسلت سے لے کر تحریکِ پاکستان کے دوران کیے جانے والے اعلانات اور پھر جولائی ۱۹۴۸ء میں اسٹیٹ بنک کے افتتاح کے موقع پر قائد کی تقریر تک جو بات بار بار کہی گئی وہ اسلامی احکام کے بموجب ایک نئے معاشی نظام اور عدل اجتماعی کا قیام تھا۔ جس کا کمٹ منٹ ریاست نے کیا تھا۔ ۱۹۴۸ء ہی میں قائد کی تقریر کی روشنی میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں اس غرض کے لیے ایک شعبہ تحقیق قائم کیا گیا تھا کہ وہاں مالیات، اقتصادیات اور عدل اجتماعی کے اسلامی اصولوں پر تحقیق ہوگی اور نئے نقشہ ہائے کار تیار کیے جائیں گے۔ قائد ان متبادل نقشہ ہائے کار کے اتنی شدت سے منتظر تھے کہ انھوں نے اس تقریر میں کہا تھا کہ میں دلچسپی سے آپ کی تحقیقات کا منتظر رہوں گا۔ معلوم نہیں پچھلے پینتالیس سالوں میں اس شعبہ نے مالیات، اقتصادیات اور عدل اجتماعی کے اسلامی اصولوں پر کیا کیا تحقیقات کی ہیں اور کیا کیا متبادل نقشہ ہائے کار تیار کیے ہیں۔ علماء کرام سے متبادل نقشہ ہائے کار کا مطالبہ کرنے والوں کو کبھی اسٹیٹ بنک سے بھی ذرا معلوم تو کرنا چاہیے کہ وہاں کیا کام ہوا ہے۔

مزید بر آں، جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے، پاکستان میں کم از کم ۱۹۵۲ء سے اس بات پر صراحتاً اتفاق رائے رہا ہے کہ جتنی جلدی ہو ملک سے ربا کو ختم کر دیا جائے۔ ۱۹۵۲ء سے آج تک حکومتوں نے اس ضمن میں کیا پیش رفت کی ہے اور کتنے بلو پرنٹ تیار کیے ہیں یہ بات حکومت سے ہی معلوم کی جاسکے گی جس کے پاس تحقیق و مطالعہ اور پالیسی سازی کے درجنوں ادارے ہیں جو کروڑوں روپے کے مصارف سے تحقیق اور بلو پرنٹ کی تیاری میں مصروف بتائے جاتے ہیں۔

لیکن حکومتی اداروں کی کارگزاری سے قطع نظر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کیا بلاسود بنکاری

کا نظام شروع کرنے سے قبل کوئی مفصل بلو پرنٹ بنانا ضروری ہے؟ کیا کسی تفصیلی بلو پرنٹ کے بغیر ہم سود خواری ترک نہیں کر سکتے؟ کیا دنیا میں ہر جگہ جہاں نئے نئے نظام قائم ہوئے اور چلے ہیں وہاں ہر چیز کے لیے پہلے سے سوچ کر بلو پرنٹ تیار ہوا تھا؟ جب موجودہ بنکاری نظام کا آغاز ہوا اور بنک بننے شروع ہوئے تو کیا پہلے کوئی بلو پرنٹ تیار ہوا تھا کہ بنک کیسے کام کریں گے؟ دراصل یہ ترتیب کار ہی درست نہیں ہے کہ پہلے آپ تفصیلی بلو پرنٹ کے انتظار میں بیٹھے رہے اور اگر کبھی وہ تیار ہو جائے تو پھر کام شروع ہو۔ اس طرح کے تمام امور و معاملات میں پہلے کام شروع ہوتا ہے پھر کام جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا ہے بلو پرنٹ تیار ہوتے جاتے ہیں۔ جب روس میں کمیونسٹ نظام نے کام شروع کیا تھا تو کیا پہلے سے ہر چیز کا الگ الگ بلو پرنٹ تیار ہوا تھا؟ بس ایک تصور تھا کہ اس طرح کا نظام ہو گا۔ اس کے بنیادی معاشی تصورات یہ ہوں گے۔ ان تصورات پر انہوں نے کام شروع کر دیا اور ایک نظام بنا لیا پھر جیسے جیسے نظام بنتا گیا اور مسائل سامنے آتے رہے بلو پرنٹ تیار ہوتے گئے۔ پہلے سے ان معاملات میں تفصیلی منصوبہ سازی کرنا اس لیے مشکل ہے کہ کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ ۵۰ سال بعد کیا مسائل پیش آئیں گے۔ خود جب قائداعظم پاکستان بنا رہے تھے تو کیا یہاں کی معاشیات کا، سیاسی نظام کا، دستور سازی کا، صنعتکاری کا، زراعت کا کوئی بلو پرنٹ تیار ہوا تھا۔ انہوں نے قوم کو صرف ایک جملے کا بلو پرنٹ دیا تھا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں اس لیے ان کا الگ الگ وطن ہونا چاہیے اس کے علاوہ کوئی بلو پرنٹ تیار نہیں کیا گیا۔ جو حضرات اس بلو پرنٹ کا مطالبہ کر رہے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ بیورلی نکلسن سے قائداعظم کا وہ انٹرویو ملاحظہ فرما لیں جو اس نے اپنی کتاب Verdict on India میں شامل کیا تھا۔ اس کتاب میں قائد نے اس سوال کا جواب دیا تھا کہ آپ بغیر کسی بلو پرنٹ کے پاکستان کیسے بنانے چلے ہیں۔

اس کے باوجود امر واقعہ یہ ہے کہ جو مسائل اور مشکلات آج بتائی جا رہی ہیں ان سب پر گزشتہ برسوں میں خاصا غور و فکر ہوا ہے اور کم از کم علمی سطح پر ان مسائل پر اچھی خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ آج فوری طور پر یہ نیا نظام جاری نہیں ہو سکتا درست نہیں ہے۔

کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ آج کل صورتیں بڑی متنوع ہو گئی ہیں۔ اس لیے آج سے پہلے سوچے جانے والے حل کام نہیں دیں گے۔ یہ حضرات بھول جاتے ہیں کہ آج کل ہر چیز کی شکلیں متنوع ہو گئی ہیں۔ بدکاری کی شکلیں بھی متنوع ہو گئی ہیں، جوئے کی بھی بہت سی صورتیں رائج ہو گئی ہیں، سٹہ بازی کی نئی نئی قسمیں سامنے آ گئی ہیں، پہلے یہ برائیاں سیدھی سادھی ہوتی

تھیں، اب محض اس بنیاد پر کہ ان کی ہزاروں قسمیں ہو گئی ہیں کیا ان ساری چیزوں کو یہ کہہ کر جائز قرار دیا جائے کہ ان کی شکلیں اور نوعیتیں بدل گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا، اللہ اور رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں۔ کل بھی حرام تھیں، آج بھی حرام ہیں اور آئندہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام رہیں گی۔ اس لیے کہ شریعت قیامت تک کے لیے ہے اور بدل نہیں سکتی۔ لہٰذا جو لوگ ان حدود کو بدلنا چاہتے ہیں وہ گویا دوسرے الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں کہ شریعت کل ماضی میں تو ٹھیک تھی لیکن آج قابل عمل نہیں ہے۔ ایسا کہنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے اور غور کرے کہ اس کے بعد پھر اس کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہ جاتا ہے۔

(۷) صرفی اور تجارتی سود

بعض حضرات بڑے شد و مد سے یہ بحث اٹھاتے ہیں کہ اسلام نے جس سود کو حرام قرار دیا ہے وہ صرفی اور ذاتی مقاصد کے لیے لیے جانے والے قرضوں پر عائد کیا جانے والا سود ہے۔ اس لیے کہ اس دور میں یہی سود عرب میں رائج تھا اور سود کی اسی قسم سے قرآن پاک کے اولین مخاطبین مانوس تھے۔ رہا تجارتی اغراض کے لیے حاصل کیے جانے والے قرضوں پر سود تو چونکہ اس میں ظلم و استحصال نہیں ہے اس لیے وہ جائز ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جن حضرات نے حلت سود کا یہ جواز تلاش کیا ہے ان کو اس کی تائید میں تاریخ، سیرت، فقہ، حدیث اور قرآن سے کوئی شہادت نہیں ملی۔ ان کی بنیاد صرف ان کے اپنے بلا دلیل دعاوی پر ہے چنانچہ:

- صرفی اور تجارتی قرضوں کے درمیان فرق کی کوئی تعلیل موجود نہیں ہے۔
- "صدر اسلام میں صرف صرفی قرضوں پر سود رائج تھا" اس بیان کی تائید میں تاریخ کی کوئی شہادت نہیں ہے۔
- "تجارتی قرضوں پر سود سے عرب نامانوس تھے" یہ ایک بے دلیل بات ہے۔
- "تجارتی قرضوں پر سود میں ظلم و استحصال نہیں ہے" یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ نے تجارتی اور صرفی قرضوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا اور ہر صورت میں صرف اصل رقوم (رؤس اموالکم) کی وصولیابی کی اجازت دی ہے۔ رؤس اموالکم کی صراحت سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم سود کے تمام ممکنہ شکلوں پر حاوی ہے، بلکہ اس کا اطلاق تجارتی سود پر زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ راس المال کی اصطلاح تجارت اور کاروبار کے سیاق و سباق میں استعمال ہوتی ہے، شخصی ادھار اور

ذاتی قرضوں میں سرمایہ اور راس المال وغیرہ اصطلاحات عام طور پر استعمال نہیں ہوتیں۔

مزید براں احادیث میں صراحت موجود ہے کہ اس دور میں نہ صرف تجارتی اغراض کے لیے قرض لیے جاتے تھے بلکہ ان پر سود بھی لینے اور دینے کا رواج تھا۔ جیسا کہ اس موضوع پر موجود احادیث اور تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے پھر علاوہ احادیث اور تاریخ کی صراحت کے، جو شخص عرب جاهلیہ کی تاریخ اور مزاج سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے کہ عرب میں صرفی قرضوں پر سود وصول کرنے کا کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ عربوں کا جذبہ مہمان نوازی، غریب پروری اور جود سخاء پہلے بھی ضرب المثل تھا اور آج بھی ضرب المثل ہے۔ اسلام سے پہلے بھی یہ اقدار ان میں نہ صرف موجود تھیں بلکہ ایک عام عرب ان پر عمل کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ چور اور ڈاکو (لصوص) تک ان اقدار کا فخریہ ذکر کرتے تھے، جیسا کہ کلام عرب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ سے مخفی نہیں ہے۔ ان حالات میں صرفی قرضوں پر سود کی وصولیابی کی مثالیں شاذ و نادر ہی ہو سکتی ہیں۔

البتہ تجارتی اغراض کے لیے قرضے لینے اور دینے کا عرب میں عام رواج تھا اور اس پر سود بھی لیا اور دیا جاتا تھا اور قرآن پاک نے اس سود کی ممانعت کی ہے۔ حضرت عباسؓ کا سود جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ختم کیا کسی طرح بھی صرف قرضوں پر عائد سود نہیں ہو سکتا تھا۔ ان جیسا دولت مند رئیس جو اپنی جیب خاص سے پورے موسم حج میں حجاج کے پانی کا بندوبست کرتا ہو، جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے قریش کا سخی ترین سردار قرار دیا ہو وہ بھلا صرفی اغراض کے لیے قرضہ کیوں لے گا حضرت عباسؓ عرب کے نامور تاجروں میں سے تھے اور دوسرے تاجروں کو تجارت کے لیے قرض بھی دیا کرتے تھے جو سودی اور غیر سودی دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ ان جیسے سخی انسان کے لیے یہ بات بعید از امکان ہے کہ وہ ضرورت مند اور محتاج لوگوں کو سود پر صرفی قرض دیتے ہوں۔

جہاں تک اس دلچسپ دعوے کا تعلق ہے کہ تجارتی قرضوں پر لیے جانے والے سود میں ظلم اور استحصال نہیں ہوتا تو اس کے جواب میں یہی گزارش کی جا سکتی ہے کہ صرفی قرضے والے سود کی برائی دو افراد تک محدود رہتی ہے۔ جبکہ تجارتی قرضوں پر لیے جانے والے سود کی قباحتیں اور مفاسد پورے معاشرہ کو گھن لگا دیتے ہیں۔ ان صفحات میں سود کی جو پچیس قباحتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے آخر کونسی قباحت ہے جو صرف صرفی قرضہ میں ہوتی ہے اور تجارتی قرضہ میں نہیں ہوتی؟[17]

۶

پاکستان میں حرمت ربا پر اتفاق رائے

حرمت ربا کے بارے میں آج اٹھائی جانے والی بحثوں اور بار بار چھیڑے جانے والے اعتراضات کی بھرمار کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید آج پاکستان میں پہلی بار کسی من چلے نے ربا جیسی پسندیدہ اور نفع بخش چیز کو حرام کہہ دینے کی غلطی کر دی ہے۔ ہر پھر کر یہی سوال دہرایا جارہا ہے کہ ربا ختم ہو گیا تو معاشیات کا کیا ہو گا، کاروبار کیسے چلے گا، بنک کیسے کام کریں گے، بین الاقوامی تجارت کا کیا ہو گا، غیر ملکی قرضے کیسے ملیں گے۔ یہ سوالات فیصلہ کرنے سے پہلے طے کرنے کے ہوتے ہیں، فیصلہ کرنے کے بعد ان سوالات کو بار بار اٹھانے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یا تو ہم حرمت سود کا فیصلہ کرنے میں صادق اور مخلص نہیں تھے اور یا ان سوالات کو اٹھانے سے ہمارا مقصد کنفیوژن اور انتشار پھیلانا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی قانونی اور فقہی معاملہ میں اتفاق رائے کے اظہار کی جس قدر شکلیں ممکن ہو سکتی ہیں وہ سب کی سب حرمت ربا کے بارے میں اختیار کی جا چکی ہیں اور ایک دو بار نہیں بار بار مختلف سطحوں پر اس اعلان اور کمٹ منٹ کا اعادہ کیا جاتا رہا ہے۔ ذیل میں ایسی چند آئینی، قانونی اور تاریخی دستاویزات کا حوالہ دیا جا رہا ہے جو بندش سود کے معاملہ میں ہمارے قومی اور ملی اتفاق رائے کی مظہر ہیں۔

پاکستان کی تاریخ میں پہلا باقاعدہ دستوری مسودہ جو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے مرتب کر کے قوم کے سامنے پیش کیا، ۱۹۵۳ء میں پیش کیا جانے والا وہ آئینی مسودہ تھا جو اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم نے دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا تھا۔ اس کی تیاری میں تمام نامور بانیان پاکستان اور قائد اعظم کے قریب ترین رفقاء شامل تھے۔ ان حضرات میں قائد اعظم کے تین اہم مناصب میں ان کے تین جانشین خواجہ ناظم الدین مرحوم، مولوی تمیز الدین خان مرحوم اور سردار عبدالرب نشتر مرحوم کے علاوہ خان عبدالقیوم خان، جناب نور الامین اور خواجہ شہاب الدین

کے علاوہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر محمود حسین اور مولانا محمد اکرم خان جیسے اہل علم ودانش کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس دستوری مسودہ میں یہ شق بالاتفاق شامل کی گئی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو گا ربا کو ختم کر دیا جائے گا۔ [دفعہ ۲(۲)(سی)]

پھر جب ۱۹۵۴ء میں محمد علی بوگرہ مرحوم کے زمانہ میں دوسرا دستوری مسودہ تیار ہوا (جس پر ہونے والے قومی اتفاق رائے کی مثال ملنا دشوار ہے اور بعد میں کوئی بھی دستوری نظم اس سے بہتر حل مسائل کا پیش نہیں کر سکا) تو اس میں بھی یہی بات ان ہی الفاظ میں دہرائی گئی۔ (دفعہ ۲، ذیلی دفعہ ۲ (س)) لیکن افسوس کہ اس دستور کے نفاذ کی نوبت ہی بعض اسلام دشمن اور ملک دشمن عناصر نے نہ آنے دی۔

بعد ازاں ۱۹۵۶ء میں جب ملک کا پہلا دستور نافذ ہوا تو اس کی دفعہ ۲۹ پیرا گراف (الف) میں پھر یہ کہا گیا کہ ریاست ربا کو جلد از جلد ختم کرنے کی مساعی کرے گی۔ پھر ۱۹۶۲ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب مرحوم کے دستور میں نسبتاً زیادہ واضح طور پر کہا گیا کہ ربا کا خاتمہ (بلکہ صفایا) کر دیا جائے گا۔ (دفعہ ۱۹ باب پالیسی کے اصول) یہی بات جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دیئے ہوئے عارضی دستور بابت ۱۹۷۲ء کی دفعہ ۴۶ میں دہرائی گئی، یعنی یہ کہ ربا کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

آخر میں ملک کے موجودہ دستور میں جو ۱۹۷۳ء میں نافذ ہوا دفعہ ۳۸ پیرا گراف (الف) میں ایک بار پھر صاف اعلان اور صریح وعدہ کیا گیا کہ ریاست جتنی جلد ممکن ہو گا ربا کا خاتمہ کر دے گی۔

یہ سب تفصیلی حوالے جن دستاویزات کے دیئے گئے ہیں وہ ملک کے صف اول کے سیاسی قائدین کی بالاتفاق تیار کردہ ہیں۔ ان کی تیاری میں قریب قریب ہر قابل ذکر سیاسی جماعت کے ارکان، ہر نقطہ نظر کے سیاسی قائدین، ہر قسم اور ہر برانڈ کی حکومتوں کے قائدین اور ملک کے تمام حصوں سے تعلق رکھنے والے سیاستدان شامل تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک سے ربا کو ختم کرنے کے بنیادی کمٹ منٹ سے ان میں سے کسی نے کبھی بھی اصولاً کوئی اختلاف نہیں کیا اور یہ بات ہمیشہ ایک طے شدہ اصول کے طور پر مانی گئی کہ ملکی معاشیات سے سود کا انخلاء اور خاتمہ ضروری ہے۔

یہ مثالیں تو وہ تھیں جو خالص سیاسی قائدین اور دستور سازی کے ماہرین کے متفقہ فیصلوں کی تھیں۔ اب چند مثالیں شریعت کے ان ماہرین اور نامور اہل علم کے فیصلوں کی دی جا رہی ہیں جن کو پاکستان کی آئینی اور قانونی مقتدرہ جات نے اس غرض کے لیے نامزد کیا تھا کہ وہ قرار داد مقاصد کے تقاضوں کے مطابق ملک کے نظام کو اسلامی طور پر استوار کرنے میں حکومت اور قانون

سازاداروں کی مدد کریں۔

مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد دستور ساز اسمبلی نے ایک ادارہ کے قیام کی منظوری دی جس کا نام بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ تجویز ہوا۔ اس بورڈ کی ذمہ داری یہ تھی کہ قرارداد مقاصد کے تقاضوں کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی کو اسلامی دستور سازی کے معاملات میں مشورے دے اور راہنمائی کرے۔ بورڈ نے ستمبر ۱۹۴۹ء میں کام شروع کیا۔ اس کے صدر مشہور محقق و مؤرخ اور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی مقرر ہوئے اور ارکان میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مقیم پیرس)، مولانا ظفر احمد انصاری، مفتی جعفر حسین مجتہد اور پروفیسر عبدالخالق مرحوم شامل تھے۔

بورڈ نے ۱۹۵۲ء میں جب مرحوم خواجہ ناظم الدین کو پیش کردہ دستوری سفارشات پر تبصرہ کیا تو حرمت ربا سے متعلق اس میں دی گئی مذکورہ بالا دفعہ کو ناکافی خیال کرتے ہوئے اس دفعہ کو درج ذیل دفعہ سے بدلنے کی سفارش کی:

"(ریاست کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ):

(الف) اندرون ملک ہر لین دین میں زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی مدت کے اندر اندر اور

(ب) بیرون ملک ہر لین دین پر اس کم از کم مدت کے اندر جس میں متبادل انتظامات کرنا ممکن ہو سود کا خاتمہ کر دے۔" (ملاحظہ ہو بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پر بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کی تجویز کردہ ترامیم، مطبوعہ مجلس دستور ساز پاکستان، گورنمنٹ آف پاکستان پریس، کراچی، طبع ۱۹۵۲ء ص ۸)

۱۹۶۲ء کے دستور کے بموجب جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم نے اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی تو کونسل نے مرحوم جسٹس ابو صالح محمد اکرم کی صدارت میں ۱۳ جنوری ۱۹۶۴ء کو کراچی میں ربا کے معاملہ پر غور کرتے ہوئے متفقہ طور پر رائے دی کہ "عدل اجتماعی کے اسلامی تقاضوں کی تکمیل اور انسانی برادری کے تصور کو عملی شکل دینے کے لیے ضروری ہے کہ بلاسود (Interestless) معاشی نظام شروع کیا جائے۔ کونسل نے یہ تسلیم کیا کہ فوری یا اچانک تبدیلی سے ملک کے لیے متعدد مشکلات پیدا ہوں گی لیکن کونسل نے ساتھ ہی یہ سفارش کی کہ سود (انٹرسٹ) سے پاک معیشت کے قیام کے لیے کوششوں کو بلاوجہ مؤخر نہ کیا جائے۔"[۱۸]

۹ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ایک بار پھر کونسل نے وزارت خزانہ کے استفسار پر اس مسئلہ پر مفصل غور کیا اور مرحوم علامہ علاؤ الدین صدیقی کی زیرِ صدارت اپنے اجلاس منعقدہ ڈھاکہ میں متفقہ طور پر یہ

طے کیا کہ ربا اپنی تمام اقسام کے ساتھ قرآن و سنت کی رو سے حرام ہے اور یہ کہ کونسل اس استفسار کے جواب میں ایک بار پھر اپنے سابق موقف ہی کا اعادہ کرتی ہے (جو اوپر ذکر کیا گیا ہے) اس اجلاس میں کونسل نے وزارت خزانہ کے استفسار پر متعدد حکومتی اداروں کی کارکردگی اور طریقہ ہائے کار کا بھی تفصیلی جائزہ لیا اور رائے دی کہ ان میں بیشتر ادارے اور طریقہ ہائے کار سودی کاروبار پر مبنی ہیں۔ کونسل نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ بنکاری نظام بنیادی طور پر سود پر مبنی ہے اور اس لیے اس کا مکمل جائزہ لے کر اس میں تفصیلی رد و بدل (اوورہالنگ) کی ضرورت ہے[19]۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کی قائم کردہ اسلامی مشاورتی کونسل نے ایک بار پھر (یعنی تیسری مرتبہ) ربا کے مسئلہ پر ۲۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کو غور کیا۔ اس اجلاس کی صدارت بھی علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم نے کی۔ اس اجلاس سے قبل کونسل نے ایک مفصل سوالنامہ ربا کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اندرون ملک اور بیرون ملک ۱۲۳ نامور علماء اور دانشوروں کو بھیجا تھا جن کے دیئے ہوئے جوابات پر غور کر کے کونسل نے حسب ذیل رائے دی:

"اسلامی مشاورتی کونسل اس امر پر متفق ہے کہ ربا اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی بیشی اور کمی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ افراد اور اداروں کے لین دین کی مندرجہ ذیل صورتوں پر کامل غور و فکر کرنے کے بعد کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ:

(الف) موجودہ بنکاری نظام کے تحت افراد، اداروں اور حکومتوں کے درمیان کاروباری لین دین اور قرضہ جات میں اصل رقم پر جو بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے وہ داخل ربا ہے۔

(ب) خزانہ کی طرف سے تھوڑی مدت کے قرضہ پر جو چھوٹ دی جاتی ہے وہ بھی داخل ربا ہے۔

(ج) سیونگ سرٹیفکیٹ پر جو سود دیا جاتا ہے وہ ربا میں داخل ہے۔

(د) انعامی بانڈز پر جو انعام دیا جاتا ہے وہ ربا میں شامل ہے

(ھ) پراویڈنٹ فنڈ اور پوسٹل بیمہ زندگی وغیرہ میں جو سود دیا جاتا ہے وہ بھی ربا میں شامل ہے۔

(و) صوبوں، مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیئے گئے قرضوں پر بڑھوتری ربا میں شامل ہے[20]۔"

ان واضح اور صریح سفارشات کے ساتھ ساتھ کونسل نے یہ بھی تجویز کیا کہ حکومت اسلامی مشاورتی کونسل کے مشورہ اور امداد کے لیے اکبر فقہاء، ماہرین شریعت اور ماہرین قانون کی ایک کمیٹی مقرر کرے جو رائج نظام کی اصلاح کی صورتیں تجویز کرے[21]۔

حرمت ربا اور اس کی حکمت و مصلحت کو کونسل نے ایک بار پھر (چوتھی بار) اپنی سفارشات بابت ۲۰، ۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء میں دہرایا۔ پانچویں بار کونسل نے ۳۱ جنوری ۱۹۷۶ء کو قرار دیا کہ "چونکہ ربا کے حرام ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس لیے اسے ختم ہونا چاہیے"[۲۲]۔

اکتوبر ۱۹۷۷ء میں کونسل نے اپنی مذکورہ بالا سابقہ تجویز کے مطابق معاشیات اور بنک کاری کے ماہرین کا ایک پندرہ رکنی پینل مقرر کیا جس کا کام یہ تھا کہ سود سے پاک معیشت و بنکاری نظام کی فنی نوعیت کے پیش نظر اس کے مختلف پہلوؤں اور عواقب و اثرات پر کونسل کو ماہرانہ رائے دے۔ پینل نے اب تک موصول شدہ آراء، تجاویز اور جوابات کے علاوہ اپنا ایک الگ سوالنامہ جاری کیا جس کے جوابات پینل کو موصول ہوئے ان تمام امور کا جائزہ لینے کے بعد پینل نے سود کے مرحلہ وار خاتمے کا ایک پروگرام تجویز کیا جو ایک عبوری رپورٹ کی صورت میں ۱۹۷۸ء میں حکومت کو پیش کر دیا گیا۔ اس عبوری رپورٹ میں وہ فوری اقدامات بھی تجویز کیے گئے جن پر ابتداء ہی میں عملدر آمد کیا جانا تھا۔

پینل نے دو سال کی محنت کے بعد ۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو اپنی حتمی رپورٹ استحصال سود کے بارے میں پیش کی۔ کونسل کی پیش کردہ یہ رپورٹ ۱۱۳ صفحات اور ۵ ابواب پر مشتمل ہے اور اس اعتبار سے منفرد دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے کہ ملک کے ۱۵ نامور ماہرین معاشیات و بنکاری نے سود کے استحصال اور متبادل نظام کے خاکہ پر مبنی فنی نوعیت کی سفارشات پیش کیں۔ اس رپورٹ کو اسلامی نظریاتی کونسل نے چند ضروری ترامیم اور اضافوں کے ساتھ جون ۱۹۸۰ء میں منظور کر لیا اور اس طرح یہ رپورٹ جو استحصال سود کا ایک جامع نظام الاوقات اور طریقہ کار پیش کرتی ہے حکومت کو پیش کر دی گئی۔ استحصال سود سے متعلق کونسل کی یہ رپورٹ اپنے موضوع پر بلاشبہ عصر جدید کی پہلی قابل ذکر کوشش کہلانے کی مستحق ہے۔ جس کی تیاری میں علمائے دین، فقہائے کرام، ماہرین اقتصادیات و بنک کاری سب نے مل کر حصہ لیا اور اتفاق رائے سے سود کی تمام رائج الوقت صورتوں کو ربا اور حرام قرار دے کر ان کا متبادل تجویز کیا۔

اس رپورٹ میں جواب اردو، عربی اور انگریزی میں مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بڑے جامع انداز میں بحث کی گئی ہے۔ موضوع سے متعلق مسائل و مشکلات کا تعین کرنے اور ان کے حل کے لیے مناسب حکمت عملی وضع کرنے کے بعد رپورٹ میں تجارتی بنک کاری کے تمام وظائف (بابت صنعت کاری، زراعت، تجارت، تعمیرات، حمل و نقل وغیرہ) کے بارے میں بلاسودی قرضوں کی ممکنہ صورتیں تجویز کی گئی ہیں۔ اس طرح خالص مالیاتی اداروں کے

مقاصد اور طریقہ کار کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں بلاسودی معیشت کی روشنی میں اصلاحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں حکومت پاکستان اور صوبائی حکومتوں کے مالی معاملات اور اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی ذمہ داریوں کو سود سے پاک کرنے کے لیے تجاویز بھی دی گئی ہیں۔

رپورٹ میں جو بات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مرتبین نے مکمل شرح صدر کے ساتھ بنک انٹرسٹ یا کمرشل انٹرسٹ کو ربا تسلیم کیا اور اس کے حرام ہونے کا اصول مان کر ہی اپنی رپورٹ کی تدوین کی۔ پوری رپورٹ میں کہیں بھی کوئی ایسی بات اشارۃً یا کنایتاً نہیں ملتی جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ مرتبین رپورٹ کے ذہن تجارتی سود کے بارے میں صاف نہیں ہیں یا وہ اس کے ربا ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کسی تامل کا شکار ہیں۔

یہ رپورٹ ۱۹۸۰ء - ۱۹۸۴ء کے سالوں میں ملک بھر میں زیر بحث رہی۔ حکومت کے ایوانوں اور وزارتوں سے لے کر بنکوں اور مالیاتی اداروں میں ان موضوعات پر غور و فکر ہوا اور ملک کے کسی بھی ذمہ دار فرد نے (جن میں چھوٹے سے چھوٹے اہلکار سے لے کر صدر مملکت اور وزیر خزانہ تک سب شامل ہیں۔) اس پوری مدت کے دوران تجارتی سود کے ربا ہونے کے بارے میں کسی تردد کا اظہار نہیں کیا اور بلاسود بنکاری کی ساری مساعی اس اصول کی بنیاد پر جاری رہیں کہ بنک انٹرسٹ کی تمام شکلیں ربا ہیں۔

حکومت پاکستان کی طرف سے صراحتاً بھی بار بار یہ بات کہی گئی اور اس وقت کے وزیر خزانہ کے بہت سے بیانات ریکارڈ پر موجود ہیں کہ موجودہ بنکاری نظام سے ربا کا عنصر ختم کرنا حکومت کی طے شدہ پالیسی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ بنکاری نظام سے سود ختم کرنے کی باتیں اسی وقت درست اور بامعنی ہو سکتی ہیں جب بنک انٹرسٹ کو ربا تسلیم کیا گیا ہو۔ ورنہ بنکاری نظام کو بلاسود بنیادوں پر استوار کرنے کی ساری کوششیں بے معنی اور غیر ضروری ہیں۔

بالآخر ۲۰ جون ۱۹۸۴ء کو اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے اپنا مشہور سرکلر نمبر ۱۳ جاری کیا جس میں ملک کے تمام بنکوں سے کہا گیا کہ وہ ایک مرحلہ وار پروگرام کے مطابق (جو یکم جولائی ۱۹۸۴ء کو یعنی مذکورہ بالا سرکلر کے اجراء سے دس دن بعد شروع ہونا تھا) بلاسود بنکاری نظام کو اپنائیں اور یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے مکمل طور پر بلاسودی نظام اپنا لیں۔ اس سرکلر میں اسلامی سرمایہ کاری اور کاروبار کے بارہ طریقے (موڈز آف فائنانسنگ) بھی طے کیے گئے جن کی پابندی بنکوں کو کرنا لازمی قرار پایا۔

ملک میں حرمت ربا پر مسلسل اتفاق رائے کے اس اجمالی جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے

کہ وفاقی شرعی عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے وہ نہ پہلی بار ربا کو حرام قرار دے رہا ہے نہ ملک میں پہلے سے موجود قومی اتفاق رائے سے ہٹ کر کوئی نئی بات کہہ رہا ہے۔ اس فیصلہ میں ایک مجاز و مختار عدالتی فورم نے وہی بات کہی ہے جس پر ۱۹۵۰ء سے قوم کا کمٹ منٹ چلا آرہا ہے۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

۷

متبادل شکلیں

جیسا کہ عرض کیا گیا، ہمارے ملک میں گزشتہ دس بارہ سال کے دوران بلاسود بنکاری اور بلا سودی سرمایہ کاری کے موضوع پر خاصا وقیع علمی کام ہوا ہے اور ماہرین شریعت اور ماہرین بنکاری نے مشترکہ غور و فکر سے اس کی متعدد متبادل شکلیں تجویز کی ہیں۔ جو ایک طرف شریعت کے احکام سے متعارض بھی نہیں ہیں اور دوسری طرف جدید بنکاری اور سرمایہ کاری کے مقاصد کو بھی کماحقہ پوری کرتی ہیں۔ ذیل میں ان متبادل شکلوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ان میں سے چند اہم شکلوں کے ضروری شرعی احکام بھی دیئے جارہے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل اور اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے مذکورہ بالا فیصلوں کی رو سے درج ذیل متبادل شکلیں اس وقت پاکستان میں قانوناً (اگرچہ عملاً صرف کاغذ پر) رائج ہیں:

۱) سروس چارج
۲) قرض حسنہ
۳) بیع مرابحہ
۴) اجارہ (Leasing)
۵) مشارکہ
۶) مضاربہ
۷) بیع مؤجل
۸) بیع بالوفاء (Buy-back Agreement)
۹) ملکیتی کرایہ داری (Hire Purchase)
۱۰) وصولیابی ترقیاتی اخراجات (Developement Charges)
۱۱) ایکوٹی پارٹیسپیشن (Equity Participation)

۱۲) رینٹ شئیرنگ (Rent Sharing)

۱۳) خریداری حصص

۱۴) ٹریڈ بلوں کی خریداری

ان چودہ شکلوں کے علاوہ درج ذیل شکلیں بھی ممکن ہیں جن سے سرمایہ کاری اور بنکاری کے متعدد مقاصد پورے کیے جاسکتے ہیں:

۱۵) بیع سلم

۱۶) مزارعہ

۱۷) مساقاۃ

۱۸) بالاقساط فروخت

۱۹) عقد استصناع

۲۰) ادارہ اوقاف کا استعمال صرفی قرضوں کی مد میں

ذیل میں ان میں سے چند ضروری شکلوں کے احکام دیئے جارہے ہیں[۲۳]۔

(۱) سروس چارج یا حق الخدمت

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے بنکوں کے ذریعہ تجارتی اور پیداواری قرضوں کے حصول کے علاوہ اور بھی بہت سی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے بنکوں کے دائرہ کار اور فرائض میں اضافہ ہی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آج بنکوں کی اتنی قسمیں ہو گئی ہیں اور ان کے اتنے متنوع اور کثیر المقاصد فرائض ہو گئے ہیں کہ ان کے بارے میں شریعت کی روشنی میں ایک مختصر سی گفتگو کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان فرائض و مقاصد میں بہت سے وہ ہیں جو بنک خالصتاً دوسرے کے ایجنٹ اور وکیل کی حیثیت سے انجام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ رقم کی ترسیل میں مدد دینا، کسی کاروبار یا تجارت کے سلسلے میں مشورہ دینا، مختلف طرح کے پرامیسری نوٹ (ہنڈیاں) جاری کرنا جو بیشتر صورتوں میں شرعی عقد حوالہ کی مختلف صورتیں ہیں اور جن میں بہت معمولی ردو بدل کی ضرورت ہو گی، غیر ملکی زرمبادلہ کی فراہمی، تجارتی حصص کی انڈر رائٹنگ، اجارہ اور اس نوعیت کے متعدد دوسرے فرائض وہ ہیں جن کی مناسب اجرت یا حق الخدمت بنک وصول کر سکتا ہے اور اس میں شرعاً کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ البتہ بنکوں کی طرف سے جو رقوم قرض دی جاتی ہیں ان پر سروس چارج یا حق الخدمت وصول کرنا محل نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی

نظریاتی کونسل نے بھی اس کو کسی حد تک جائز قرار دیتے ہوئے اسلام کی روح سے غیر مطابق بتایا ہے ٢٤۔ اس لیے راقم الحروف کی رائے میں تجارتی اور پیداواری قرضوں کے لیے تو سروس چارج کا طریقہ کار اختیار نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ یہ ربا کا کوئی قابل عمل متبادل نہیں ہے، لیکن ایک خاص حد تک کے صرفی قرضوں اور بنک کی دوسری خدمات کے معاوضہ کے طور سروس چارج اور حق الخدمت کو ایک جائز متبادل قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن صرفی مقاصد کے لیے دیئے جانے والے قرضوں پر واجب الاداء حق الخدمت کی وصولیابی چند لازمی شرائط واحکام کے ماتحت ہونی چاہیے۔

- اسٹیٹ بنک آف پاکستان وقتاً فوقتاً اس زیادہ سے زیادہ رقم کا تعین کرے گا جس سے زیادہ رقم بطور صرفی قرض جاری نہیں کی جاسکے گی۔
- ایک خاص حد مثلاً دس ہزار روپیہ تک دیئے جانے والے صرفی قرضے مکمل طور پر قرض حسنہ ہوں گے اور ان پر کوئی حق الخدمت وصول نہیں کیا جائے گا۔
- حق الخدمت کو کسی طور پر بھی اور کسی بھی صورت حال میں وقت یا قرض کے دورانیہ سے منسلک نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ حق الخدمت کو قرض کے دورانیہ سے منسلک کرنے کے معنی ربا کا دروازہ کھولنے کے ہیں۔
- حق الخدمت کی زیادہ سے زیادہ رقم کا تعین اسٹیٹ بنک وقتاً فوقتاً کرے گا جس میں اس تعین کا فارمولا اور اس کی بنیاد کی وضاحت بھی کی جائے گی۔ (بنیاد خلاف شرع ہونے کی صورت میں اعلیٰ عدلیہ میں قابل چیلنج ہونی چاہیے۔)

(۲) قرض حسنہ

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے حاجت مند لوگوں کو صرفی ضروریات کے لیے معمولی مالیت کے قرضے بغیر کسی حق الخدمت (سروس چارج) کے جاری کیے جانے چاہئیں۔ اس غرض کے لیے ملک میں ضروریات اور قوت خرید کی عام سطح کو پیشِ نظر رکھ کر ایک مناسب فارمولہ حکومت یا اسٹیٹ بنک بنکنگ کونسل کو وضع کردے اور اس فارمولے کو سامنے رکھ کر چھوٹے صرفی قرضے بطور قرض حسنہ جاری کیے جائیں۔ عام طور پر جن ضروریات کے لیے صرفی قرضے لیے جاتے ہیں وہ اولاد کی شادی، بیٹیوں کا جہیز، تعمیر مکان اور علاج ہے۔ ان چاروں مقاصد کے لیے درخواست گزاروں کی رہائش (شہری، قصباتی، دیہاتی) کی مناسبت سے ضروریات بھی مختلف ہو سکتی ہیں۔ ان

ضروریات کا تعین کر کے تین سطحیں مقرر کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح مذکورہ بالا چار مقاصد کے لیے تین تین سطح کے قرضے ہوں گے۔ گویا کل بارہ شرحیں طے شدہ ہوں گی جن کے مطابق متعین مقاصد کے لیے بطور قرض حسنہ امداد دی جائے گی۔

(۳) بیع مرابحہ

ہمارے ہاں جس چیز کو مارک اپ کہا جا رہا ہے وہ بیع مرابحہ اور بیع سلم کا مجموعہ ہے۔ جس کو سرکاری دستاویزات میں بیع موجل کا نام دیا گیا ہے۔ ہم ان سب چیزوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں:

بیع مرابحہ سے مراد ہے کہ کوئی چیز خرید کر اس کی سابقہ قیمت پر ایک خاص طے شدہ اور متعین شرح سے اضافہ کے ساتھ فروخت کر دینا۔ اس بیع کے جائز ہونے کے لیے درج ذیل احکام کی پابندی ضروری ہے:

- چیز کی سابقہ قیمت کا معلوم اور متعین ہونا ضروری ہے، یعنی دوسرے خریدار کو یہ واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ پہلے خریدار (اور حال بائع) نے اس چیز کو کتنی قیمت میں خریدا تھا۔
- اگر پہلے خریدار (اور حال بائع) نے چیز کی خریداری کے بعد اس پر کچھ اور مصارف کیے ہوں، مثلاً مرمت پر، نقل و حمل پر، یا کسی اور جائز مصرف پر رقم خرچ کی ہو اور وہ اس کو بھی قیمت میں لگانا چاہتا ہو تو وہ یا تو الگ سے اس کی صراحت کرے اور یہ بتائے کہ اصل قیمت اتنی تھی اور اتنی رقم فلاں فلاں مد میں خرچ ہوئی اور اب اس مجموعی رقم پر وہ اتنا نفع طلب کرتا ہے اور یا عمومی انداز میں بتائے کہ یہ چیز اصل قیمت اور دیگر اخراجات ملا کر مجھے اتنے میں پڑی ہے۔
- نفع کی شرح یا فارمولا پہلے سے طے اور متعین ہونا ضروری ہے۔
- اگر سودا بارٹر کی نوعیت کا ہو اور قیمت میں کوئی چیز وصول کی جا رہی ہو تو وہ اس نوعیت کی ہو کہ اس جیسی چیز کم و بیش اسی قیمت میں بہ سہولت بازار سے مل جاتی ہو (مثلاً گندم، غلہ، کپڑا، مصنوعات وغیرہ)۔
- جس سامان کی مجموعی مالیت کا اندازہ اور قیمت کا تعین نہ ہو اس کی ممکنہ قیمت کے فیصدی کے حساب سے نفع طے کرنا جائز نہیں ہے مثلاً یہ سودا کہ اس وقت دوکان میں جو سامان موجود ہے وہ سب کا سب دس فیصد نفع پر لے لو تو یہ سودا درست نہیں ہے۔ پہلے سارے

سامان کی قیمت لگا کر الگ سے بتائی جائے اور پھر اس پر دس یا پانچ فیصد طے کیا جائے۔

- سونے چاندی اور ایک ہی قسم کی کرنسی کی بیع مرابحہ درست نہیں ہے اس لیے کہ ربا ہے۔ مثلاً سونا یا چاندی اصل قیمت پر نفع رکھ جب فروخت کیے جائیں گے تو وہ نفع ربا کے حکم میں ہو گا[۲۵]۔

بیع مرابحہ کے اس تصور کو سامنے رکھ کر اس کو بھاری مشینری کی درآمد، اندرون ملک مصنوعات کی آڑھت، اور ملکی مصنوعات و پیداوار کی برآمد کے ذریعہ سود کے فعال متبادل کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے ماہرین بنکاری تھوڑی سی جدت پسندی اور تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کریں اور محض مغرب سے آنے والی کسی تازہ ترین تبدیلی کے منتظر بنے نہ بیٹھے رہیں۔ اب تک بنکوں کی نوعیت، طریقہ کار اور انواع و اقسام میں جو جو تبدیلیاں ہوئی ہیں (اور آئے دن ہوتی رہتی ہیں) وہ سب کی سب مغرب سے ہی درآمد ہوتی ہیں اور ہمارے ماہرین نسخہ آمنت بالمغرب کے تحت ان پر دل و جان سے عملدرآمد شروع کر دیتے ہیں، لیکن اگر یہاں سے کسی تبدیلی یا معمولی سی ردوبدل کا مشورہ دیا جائے تو جبینوں پر شکنیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں اور اس ردوبدل کو ناقابل عمل بتایا جانے لگتا ہے۔

اگر بنکوں کے طریقہ کار اور ڈھانچہ میں تھوڑی بہت تبدیلیاں کر کے ان کو تجارت اور کاروبار کے عمل میں براہ راست شریک کر لیا جائے تو متبادل نقشوں پر بہ سہولت عمل ہو سکتا ہے۔ اگر بنکوں میں تجارت کے اس شعبہ کو منظم کر دیا جائے اور بھاری مشینری کی درآمد براہ راست بنک اپنے ہاتھ میں لے کر ضرورت کی مشینری درآمد کریں اور بیع مرابحہ کے اصول پر اس کو اندرون ملک فروخت کریں تو اس میں نہ کوئی انتظامی قباحت ہے نہ ہی عملی دشواری۔ نہ کوئی اور مشکل۔ اپنی رقم کی واپسی کو یقینی بنانے کے لیے بنک مشینری کے خریداروں سے ..... اگر وہ نقد قیمت دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں تو..... رہن بھی لے کر رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اندرون ملک مصنوعات اور پیداوار کی آڑھت اور برآمد کے کاروبار میں بھی بنک براہ راست یا اپنے مقرر کردہ ایجنٹوں اور ڈیلروں کی مدد سے شریک ہو سکتا ہے۔

(۴) اجارہ

اجارہ جسے اردو میں پٹہ داری اور انگریزی میں لیزنگ کہتے ہیں نہ صرف شریعت کے مطابق ہے بلکہ آج کل ان ممالک میں بھی جن کے لیے ترقی یافتہ کی اصطلاح مروج ہو گئی ہے (اور جہاں سے

کسی چیز کا منسوب ہو جانا ہماری غلامانہ ذہنیت کے لیے کامیابی، معقولیت اور مبنی بر حق وانصاف ہونے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔) بڑے پیمانہ پر تجارت و کاروبار میں اور بالخصوص بنکاری کے کاروبار میں اس کا استعمال روز افزوں ہے۔ قبل اس کے کہ اسلامی بنکاری کے لیے اس کے استعمال کی صورتوں کا ذکر کیا جائے اس کے مختصر احکام بیان کیے جاتے ہیں:

اجارہ سے مراد ایسا معاہدہ یا لین دین ہے جس میں کسی جائز چیز کی ملکیت اپنے پاس رکھتے ہوئے اس کا استعمال اور حق انتفاع (یوزر کٹ) دوسرے کو ایک مقررہ مدت کے لیے فروخت کر دیا جائے۔ اجارہ کے دیگر احکام اور شرائط درج ذیل ہیں:

- جس منفعت یا حق استعمال کا اجارہ کیا جائے وہ معلوم، متعین اور طے شدہ ہونا چاہیے۔ لہذا ایسا کوئی معاہدہ اجارہ جائزہ نہیں ہوگا جس میں منفعت یا حق استعمال غیر متعین، نامعلوم اور غیر واضح ہو یا جس کے تعین میں بعد میں چل کر اختلاف پیدا ہونے کا امکان ہو۔
- اجارہ کی مدت، تاریخ، آغاز و انتہاء اور دورانیہ کا پہلے سے تعین کیا جائے۔
- اجارہ پر لی ہوئی چیز کہاں اور کیسے اور کن کن مقاصد کے لیے استعمال کی جائے گی اس کا بھی تعین ضروری ہے۔ البتہ احناف کے نزدیک مکان اور دوکانوں کے اجارہ میں یہ متعین کرنا ضروری نہیں کہ ان میں کرایہ دار خود رہے گا یا کسی اور کو رکھے گا یا دوکان میں کیا کاروبار کرے گا۔ البتہ ان عمارتوں کا کوئی ایسا استعمال مالک کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا جو ان کے عام اور معروف استعمال سے مختلف ہو یا اس سے عمارت کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔
- جس مقصد کے لیے عقد اجارہ کیا جا رہا ہے وہ عقلاً، شرعاً اور عادۃً درست اور قابل عمل ہو، لہذا کسی ایسے مقصد کے لیے اجارہ درست نہیں ہوگا۔ جو شرعاً، عقلاً یا عادۃً درست اور قابل عمل نہ ہو، مثلاً شراب سازی، کیمیا سازی وغیرہ۔
- کرایہ کا تعین واضح طور پر کیا جائے۔
- معاہدہ اجارہ کی شرائط میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو کسی ایک فریق کو کوئی ایسا حق دیتی ہو جو معاہدہ اجارہ کے مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو اور اس اضافی حق کا کوئی معاوضہ دوسرے فریق کے ذمہ واجب الادا نہ ہو۔ اس لیے کہ بلا معاوضہ ایسا اضافی حق ایک طرح سے ربا کے مترادف ہے۔
- اگر اجارہ پر دی جانے والی چیز تباہ ہو جائے یا ناقابل استعمال ہو جائے تو اجارہ پر لینے والے کو وقت سے پہلے اجارہ منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

- اجارہ پر دی جانے والی چیز کے تمام نقصانات اور خطرات مالک کے ذمہ ہوں گے اور اجارہ پر لینے والے پر اس طرح کا کوئی بار نہیں ڈالا جائے گا۔ یاد رہے کہ مالک اپنی چیز کا کرایہ لینے کا مستحق شرعاً اسی وقت ہو سکے گا جب وہ اس کے تمام نقصانات اور خطرات کی ذمہ داری خود قبول کرے۔ لہذا اجارہ پر دی ہوئی چیز کا انشورنس، ٹوٹ پھوٹ وغیرہ سب مالک کے ذمہ ہوں گے۔
- فریقین جب چاہیں باہمی رضامندی سے معاہدہ اجارہ کو فسخ کر سکتے ہیں۔
- اجارہ پر وہی چیز دی جاسکتی ہے جو اجارہ پر دینے والے شخص کی ملکیت میں ہو اور اس کے قبضہ میں آچکی ہو۔ قبضہ اور ملکیت میں آنے سے قبل ہی اس کو اجارہ پر دینا درست نہیں ہے۔ جائداد غیر منقولہ کے لیے البتہ کاغذات ملکیت کا قبضہ میں آجانا جائداد کے قبضہ میں آجانے کے مترادف مانا جاسکتا ہے[۲۶]۔

یوں تو اجارہ کے احکام اور شرائط بہت مفصل ہیں لیکن ضروری احکام کا خلاصہ مذکورہ بالا سطور میں آگیا ہے۔ ان احکام اور شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے جو اجارہ (لیزنگ یا پٹہ داری) کی جائے گی وہ شریعت کے مطابق ایک جائز طریقہ ہو گی۔

یاد رہے کہ اجارہ اور لیزنگ کے ادارہ سے بنکنگ اور بالخصوص کارپوریٹ فائنانس کے مقاصد کی تکمیل بنیادی طور پر مسلمان فقہاء کی ایجاد ہے۔ مغرب میں یہ تصور ماضی قریب میں آیا ہے انگلستان میں آج سے پچاس سال قبل لیزنگ کا بطور ایک ادارہ سرمایہ کاری کوئی قابلِ ذکر تصور نہیں تھا۔ وہاں یہ رواج ۱۹۶۰ء کے عشرہ سے شروع ہوا اور بہت جلد اس نے کاروباری حلقہ میں مقبولیت حاصل کر لی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۹ء میں کل دو ہزار ملین پونڈ کی لیزنگ ہو رہی تھی جو کل سرمایہ کاری کا دس فیصد تھا[۲۷]۔

لیزنگ یا اجارہ میں وہ انتظامی مشکلات بھی نہیں ہیں جو نفع و نقصان میں شرکت کے دو معروف طریقوں مضاربہ اور مشارکہ میں بیان کی جاتی ہیں۔ یہاں یہ خطرہ بھی نہیں ہے کہ اجارہ پر لینے والے (لیسی) غلط حسابات پیش کریں گے یا وہ دوہرے حسابات رکھیں گے۔ ایک بار بنک ان کو اجارہ پر چیزیں یا جائداد دے دے اور پھر اپنا کرایہ وصول کرتا رہے بشرطیکہ جائداد بنک کے رسک اور ضمان میں ہو۔

مغربی ممالک میں لیزنگ کی جو دو بڑی قسمیں جلد ہی مقبول ہو گئیں وہ فائنانس لیز اور آپریٹنگ لیز یعنی کامل ادائیگی کا اجارہ اور استعمالی اجارہ تھیں۔ ان دونوں قسموں کا ذکر

اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں بھی موجود ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس موضوع پر کونسل کی رپورٹ کے متعلقہ پیراگراف یہاں نقل کر دیئے جائیں:

"طویل المیعاد سرمایہ کاری کے لیے پٹہ داری ایک جدید طریقہ ہے جو صنعتی ممالک میں روز افزوں ہے۔ پٹہ داری دو طرح کی ہوتی ہے۔

- کامل ادائیگی پٹہ داری
- استعمالی پٹہ داری

کامل ادائیگی پٹہ داری میں پٹہ دینے والا پٹہ دار کو اس کی ضرورت کا اثاثہ خرید کر کرایہ پر دینے کا معاہدہ کرتا ہے۔ ملکیت اثاثہ دلانے والے کی رہتی ہے۔ لیکن اس پر قبضہ پٹہ دار کا ہوتا ہے اور وہی اسے استعمال بھی کرتا ہے۔ پٹہ دار پابندی سے اس اثاثے کا کرایہ ادا کرتا رہتا ہے۔ قانوناً تو اس کا مالک پٹہ دھندہ ہوتا ہے لیکن اس کے استعمال کے جملہ حقوق پٹہ دار کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کی دیکھ بھال، مرمت، خدمت اور بیمہ سب پٹہ دار کے ذمہ ہوتی ہے۔ کرایہ اس انداز سے مقرر کیا جاتا ہے کہ پٹہ دینے والا پٹہ کی اصلی مدت میں ہی اثاثے کی قیمت مع کچھ نفع کے وصول کر لے۔ اور اصلی مدت اتنی ہوتی ہے جتنی کہ اثاثے کی بھرپور عمر۔ پٹہ دار کو یہ اختیار بھی ہوتا ہے کہ وہ اثاثے کو ثانوی مدت کے لیے پٹہ پر لے، اس ثانوی مدت میں کرایہ برائے نام سا رہ جاتا ہے۔ عموماً پٹے کی کل مدت پانچ سال سے پندرہ سال تک ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اثاثہ اتنے ہی عرصہ تک کار آمد ہوتا ہے۔

استعمالی پٹہ داری میں اثاثے کو مختصر مدت کے لیے کرایہ پر چلایا جاتا ہے۔ کرایہ سے ساری لاگت وصول نہیں ہوتی اس لیے اسے غیر ادائیگی پٹہ داری بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ بعد میں کسی وقت یا تو سامان بیچ دیا جاتا ہے یا پھر یکے بعد دیگرے اور لوگوں کو کرایہ پر دیا جاتا رہتا ہے اور اس طرح اس کی باقی قیمت نکال لی جاتی ہے۔ استعمالی پٹہ داری خاص خاص چیزوں تک محدود ہوتی ہے جیسے کمپیوٹر، موٹر کار، فوٹو سٹیٹ مشین اور اس طرح کی اشیاء۔

پاکستان میں بنک درمیانی اور طویل مدت کے لیے رقوم پٹہ داری کے اصول پر خود بھی فراہم کر سکتے ہیں اور پٹہ پر دینے والے ذیلی اداروں کی معرفت بھی۔ اس طریق کار میں نقصان کا اندیشہ کم ہوگا اور پٹہ کے حساب کتاب کی دیکھ بھال کے جھمیلے میں پڑے بغیر نئے نظام میں بنک کے لیے معقول معاوضہ بھی یقینی ہو جائے گا۔ تاہم فی الوقت مروجہ طریقے کے برعکس انشورنس کا خرچ مالک کو برداشت کرنا پڑے گا تاکہ اس طریقے کو شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ بنایا جاسکے[٢٨]۔"

(۵) مشارکہ

دراصل سود کے خاتمہ کے بعد اس کے حقیقی، اصلی اور مستقل طور پر قابل عمل متبادل مشارکہ اور مضاربہ ہی ہیں۔ تجارت اور سرمایہ کاری کے باب میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان فقہاء نے جو دو اہم ادارے تشکیل دیئے وہ مشارکہ اور مضاربہ ہی کے تھے۔ قبل اس کے کہ یہاں مشارکہ پر بطور ایک متبادل کے گفتگو کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مشارکہ کے ضروری فقہی احکام بیان کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا یہاں مشارکہ کے تفصیلی فقہی احکام بیان کرنے کا موقع نہیں ہے بلکہ چند بنیادی اصول بیان کیے جا رہے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ مشارکہ کے تصور کی بنیاد پر بنکاری کے مقاصد کس طرح حاصل کیے جا سکتے ہیں:

- مشارکہ (فقہاء کے ہاں شرکہ کی اصطلاح زیادہ مروّج ہے) سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد مل کر کسی کاروبار میں اپنے اپنے سرمایہ کے ساتھ شریک ہوں اور کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوں۔
- سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مشارکہ میں نفع تو کسی بھی ایسی نسبت سے تقسیم کیا جا سکتا ہے جس پر پہلے سے سارے فریق اتفاق کر لیں، لیکن اگر نقصان ہو جائے تو سب شرکاء کے سرمایہ کے تناسب سے برداشت کیا جائے گا، یعنی جس کا سرمایہ دس فیصد ہے وہ نقصان کے دس فیصد کی حد تک ذمہ دار ہو گا اور جس کا سرمایہ نوے فیصد ہے وہ نوے فیصد کی حد تک نقصان کا ذمہ دار ہو گا[۲۹]۔
- یہ ضروری نہیں کہ مشارکہ کے تمام شرکاء کاروبار میں براہ راست حصہ لیں بلکہ آپس کی پیشگی شرائط کے تحت وہ یہ طے کر سکتے ہیں کہ کاروبار کا بندوبست کون اور کیسے کرے گا۔
- نفع کی تقسیم ہمیشہ فیصد کے حساب سے طے کی جائے گی اور کسی ایک یا چند افراد کے لیے کوئی متعین رقم طے نہیں کی جائے گی۔
- کاروباری ادارہ یا کمپنی اپنے شرکاء کی اجازت سے ہی قرضہ یا کوئی اور مالی ذمہ داری لے سکتی ہے۔
- اگر کاروباری ادارہ یا کمپنی نے شرکاء کی اجازت کے بغیر (یعنی میمورنڈم یا آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن میں صراحت کیے بغیر) کوئی قرضہ یا مالی ذمہ داری قبول کر لی ہو اور اس کاروبار میں نقصان ہو جائے تو شرکاء اس قرضہ یا مالی ذمہ داری کی حد تک نقصان کے ذمہ دار نہ ہوں

گے۔ بلکہ اس نقصان کے ذمہ دار ادارہ یا کمپنی کے منتظمین (ڈائریکٹرز) ہوں گے۔

- کاروباری ادارہ یا کمپنی کے منتظمین (ڈائریکٹرز) کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ شرکاء کی اجازت کے بغیر کاروبار کی اصل مالیت سے زیادہ مالیت کا ادھار مال خرید لیں۔ اگر منتظمین نے بلا اجازت مالیت سے زیادہ ادھار لے لیا اور کمپنی نقصان میں چلی گئی تو وہ زائد نقصان منتظمین کو خود برداشت کرنا پڑے گا۔
- اگر کمپنی کے منتظمین کا اپنا سرمایہ کمپنی کے کاروبار میں لگا ہوا نہیں ہے تو وہ کاروباری نقصان کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ وہ اس نقصان کے ذمہ دار صرف اس صورت میں ہوں گے جب ان کی بدیانتی، خیانت یا غبن ثابت ہو جائے۔
- ایک مشارکہ کمپنی دوسری کمپنیوں سے مزید مشارکے یا مضاربے کر سکتی ہے بشرطیکہ دونوں کے شرکاء نے اس کی اجازت دی ہو۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مضاربہ کرنے کے لیے شرکاء سے اجازت ضروری نہیں ہے
- کسی کمپنی کے ڈائریکٹر کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ کمپنی کے شرکاء سے اجازت لیے بغیر اپنا ذاتی کاروبار مشترکہ کاروبار میں ملا دے یا ذاتی کاروبار اس طرح کرے کہ اس سے مشترکہ کاروبار پر منفی اثرات پڑ رہے ہوں [30]۔

مذکورہ بالا احکام کی رو سے بنکوں کو کاروباری پارٹیوں سے قرضہ کے بجائے مشارکہ کی بنیاد پر معاملہ کرنا چاہیے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ درج ذیل انتظامی اقدامات کیے جائیں:

- بنک جن جن مشارکہ کمپنیوں میں سرمایہ لگائے ان کے انتظام میں بنک کا عمل دخل ہونا چاہیے۔ اس کی ایک شکل تو یہ ہو سکتی ہے کہ لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے بنک اس کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز وغیرہ میں اپنے نامزد ارکان مقرر کر دے، دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ بنک کے ڈیپازیٹرز میں سے ایک مخصوص مقدار سے زیادہ رقم دینے والے لوگوں میں سے ان کی آپس کی رضامندی سے ان کے نمائندے مقرر کر دیئے جائیں جو کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن متصور ہوں۔
- بنکوں کو اجازت ہو کہ وہ جب چاہیں کمپنیوں کے کاروبار، حسابات، کاغذات اور رسیدوں وغیرہ کا معائنہ کر کے اپنی تسلی کر سکیں۔
- ملک میں ٹیکسوں کے نظام پر مکمل نظر ثانی کی جائے حقیقت پسندانہ انداز سے نئی شرحیں اور ان کی وصولیابی کا طریقہ وضع کیا جائے جس میں ٹیکس سے بچنے کے رجحان کی خود بخود

حوصلہ شکنی ہو۔ اس وقت جو یہ تاثر عام ہے کہ کاروباری طبقہ کئی کئی رسیدیں رکھتا ہے اس کی بڑی وجہ بھی ٹیکسوں کا غیر حقیقت پسندانہ نظام ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہاں مشارکہ کے تصور کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے بھی بیان کر دی جائے۔

"نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کا کوئی ایسا قابل عمل طریقہ دریافت کرنے کی غرض سے، جو ہمارے حالات سے مطابقت رکھتا ہو، کونسل نے ان تمام فقہی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جو شراکت و مضاربت کے موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ جہاں تک معاہدہ شراکت کی شرائط کا تعلق ہے ان کی رو سے کاروبار میں شریک تمام فریق یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ منافع کی تقسیم کے لیے اس امر کا لحاظ کیے بغیر کہ کاروبار میں ان کے لگائے ہوئے سرمائے کا تناسب کیا ہے، کسی بھی نسبت پر اتفاق کر لیں۔ لیکن جہاں تک نقصان کا تعلق ہے اس کی تقسیم کس نسبت اور شرح سے ہو متعلقہ فریقوں کی صوابدید پر نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کے انضباط کا فریضہ مرکزی بنک کے سپرد ہونا چاہیے تاکہ ایک تو مالیاتی اداروں کے درمیان غیر صحت مندانہ رقابت کا سد باب ہو اور دوسرے مرکزی بنک کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ مختلف استعمالات کے لیے وسائل پیداواری کی تخصیص کے عمل کو قومی ترجیحات اور زرعی پالیسی کے مطابق متاثر کر سکے۔ نئے نظام میں متعلقہ فریقوں کے درمیان نفع و نقصان کی تقسیم کا عمل ان کے لگائے ہوئے سرمائے کے تناسب سے جاری رہے گا لیکن جہاں تک بنکوں اور مالیاتی اداروں کا تعلق ہے انہیں عام طور پر یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ اپنے کاروبار میں لگائے ہوئے سرمائے کے مطابق منافع کی رقم میں حصہ دار بنیں بلکہ ان کا حقیقی حصہ اس تناسب کے مطابق ہوگا جس کا تعین مرکزی بنک کرے گا۔ مثال کے طور پر کسی کاروبار میں کسی بنک کا منافع اس کے لگائے ہوئے سرمائے کے مطابق سو روپے ہے اور نفع کے تناسب کا تعین کرنے والے ادارے نے ۵۰، ۵۰ کی نسبت مقرر کی ہے تو اس صورت میں بنک کو جو منافع ملے گا اس کی مقدار پچاس روپے ہوگی تاہم جہاں تک نقصان کا تعلق ہے اس کی تقسیم سختی کے ساتھ کاروبار میں لگائے ہوئے سرمائے کے تناسب سے کی جائے گی۔

نفع و نقصان کی تقسیم کے لیے فراہم کی جانے والی رقم کو اتنے دنوں سے ضرب دیا جائے گا جتنے دنوں تک سرمایہ استعمال میں رہا۔ چاہے وہ کاروباری ادارہ کے حصہ کا سرمایہ ہو یا اس کی فاضل نقدی ہو یا بنک کا قرضہ ہو۔ یا بنک کو فراہم کی جانے والی رقم ہو جو کاروبار میں کام آئے۔ اس طرح ایک مشترک نسب نما حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ تمام فریقوں کے حصہ کے سرمایہ کا حساب

یومیہ حاصل ضرب کی بنیاد پر لگایا جائے گا۔ اس عمل میں بڑے سے بڑا جز بھی حاصل ضرب کا حساب لگانے کے لیے اس مدت سے تجاوز نہیں کرے گا جس کا حساب لگایا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہی وہ مدت ہے جس میں عملی طور پر رقم لگی رہی اور کاروبار پر اثر انداز رہی۔ کاروباری اداروں سے معاملہ کرتے وقت بنک کے لیے ایک ایسی شق معاہدہ میں درج کرنا ہوگی جس کی رو سے اسے اپنی طرف سے ایک ڈائریکٹر مقرر کرنے کا اختیار ہو جو اس ادارہ میں بنک کے مفاد کی حفاظت کرے۔ بنک کو یہ اختیار بھی ہوگا کہ اس کاروبار کے سلسلے میں جس میں رقم لگائی ہے، حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرے اور کاروبار کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرے۔

جہاں تک لمیٹڈ کمپنیوں سے بنکوں کے لین دین کا تعلق ہے، بنکوں کی ذمہ داری صرف اس رقم کی حد تک محدود ہوگی جو انہوں نے مالی امداد کی صورت میں فراہم کی ہے۔ لیکن اگر بنک، افراد، شراکتی کاروبار یا دوسرے ایسے اداروں کو سرمایہ فراہم کریں گے جن کی ذمہ داری غیر محدود ہو تو بنکوں کی ذمہ داری بھی غیر محدود ہوگی۔ تاہم ایسی صورتوں میں بنک یہ پابندی لگا سکتے ہیں کہ دوسرا فریق بنکوں کی سرمایہ کاری کے دوران کوئی مزید مالی ذمہ داری قبول نہ کرے اور یہ کہ اگر بنکوں کی منظوری کے بغیر ایسی کوئی ذمہ داری فراہم کی گئی تو بنک اس میں شریک نہیں ہوں گے۔

کسی مالی ادارہ کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ لوگ بغیر کسی رکاوٹ کے اس کی لگائی ہوئی رقمیں واپس کرتے رہیں۔ موجودہ نظام میں اگر کوئی فریق رقم کی واپسی میں تاخیر کرتا ہے تو بنک اس پر تعزیری سود عائد کرتا ہے۔ سود کے خاتمہ کے بعد معاملہ کے فریقوں پر سے یہ دباؤ ختم ہو جائے گا۔ کونسل کا خیال ہے کہ تعزیری سود کی جگہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا نہایت ضروری ہے جو شریعت کے مطابق بھی ہو اور لوگوں کو بروقت ادائیگی پر مجبور بھی کر سکے۔ اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے تو بات دوسری ہے۔ ورنہ عدم ادائیگی یا تاخیر کی صورت میں جرمانہ عائد ہونا چاہیے۔ جو ایک خاص مدت تک بڑھتا رہے لیکن جرمانے کی رقم بنک کی بجائے حکومت کے خزانے میں جمع ہونی چاہیے تاکہ یہ سود کی شکل نہ اختیار کرنے پائے۔ تاخیر اور نادہندگی، اگر بغیر معقول وجہ کے ہو تو یہ نہ صرف خیانت ہے بلکہ نئے نظام کو ناکام بنانے کے مترادف ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت ترین سزا دی جائے۔ جس میں ان کے مال کی ضبطی بھی شامل ہو۔ ساتھ ہی ایسے لوگوں کو بلیک لسٹ کر دینا چاہیے تاکہ یہ آئندہ کسی بنک سے روپیہ نہ لے سکیں۔

مجوزہ بالا طریقہ کار بنکوں کے علاوہ دوسرے مالی اداروں پر بھی منطبق کیا جائے گا۔

نئے نظام کی کامیابی کے لیے بنکوں کو یہ آزادی دینا ضروری ہے کہ وہ خالص کاروباری اصولوں اور بنکنگ کے معیارات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جس فریق کی مالی امداد کی درخواست مناسب سمجھیں، منظور کریں اور جس کی مناسب نہ سمجھیں مسترد کر دیں۔ اس سلسلہ میں کئی سالوں سے دوچار ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ سرکاری شعبہ میں چلنے والے بہت سے کاروباری ادارے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں اور اپنی مصنوعات کی قیمتوں میں انتظامیہ کے کنٹرول کے تابع ہیں۔ چنانچہ انہیں یا تو مسلسل نقصان ہو رہا ہے یا پھر برائے نام فائدہ اس کے باوجود بنکوں کو سرکاری ہدایات کے ذریعہ مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان اداروں کی مالی ضروریات پوری کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے اوپر بنکوں کے واجبات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں تو اس سے بنک کا صرف نفع متاثر ہوتا ہے لیکن نئے نظام کے تحت چونکہ امانت داروں کے منافع کا انحصار بنک کے نفع پر ہو گا اس لیے بنک کے نفع میں کمی کا مطلب امانت داروں کے نفع کے حصہ میں کمی ہو گا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر کونسل اس امر کی پر زور سفارش کرتی ہے کہ نئے نظام میں ایسے تمام سرکاری کاروباری اداروں کو جو مستحکم بنک کاری کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں مالی امداد دینے کے لیے یا تو کوئی نیا ادارہ قائم کیا جائے یا پھر حکومت بنکوں کی طرف دیئے ہوئے ایسے سرمائے کی ادائیگی کی ذمہ داری لے اور اس پر اتنی مالی امداد دے جو متعلقہ مدت کے دوران میں بنک کے اوسط منافع کی شرح کے مساوی ہو۔

نئے نظام کی کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہو گا کہ حسابات کی جانچ پڑتال کے نظام میں بنیادی اصلاحات کی جائیں اس وقت نہ صرف یہ کہ اس نظام میں بہت سی خامیاں ہیں بلکہ موجودہ قانونی ڈھانچہ میں تنقیح سازوں (آڈیٹرز) کے طریق کار پر نظر ثانی کی ضرورت بھی ہے۔ تاکہ تنقیح کا نظام زیادہ آزاد ہو سکے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل انتظامات قابلِ غور ہیں:

- مالی اداروں کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جس کاروباری ادارہ کو رقم فراہم کریں اس کے حسابات کی تنقیح کے لیے اپنے تنقیح ساز مقرر کر سکیں۔ اس سے تنقیح سازوں میں تحفظ کا احساس بھی پیدا ہو گا اور وہ اپنے فرائض کی ادائیگی بھی آزادی سے کر سکیں گے۔
- بنکوں سے مالی امداد کے طالب اداروں کے لیے لازم قرار دیا جائے کہ وہ لاگت کے تعین کا نظام قائم کریں اور اس کی تنقیح بھی کرائیں۔ اب تک زیادہ تر کمپنیاں ایسا نہیں کرتیں۔ چنانچہ تنقیح سازوں کو پتہ نہیں چلتا کہ مصنوعات پر مختلف قسم کے کیا کیا مصارف کیے گئے ہیں۔

- مالی اداروں کے تنقیحی شعبہ کو بطریق احسن منظم کیا جائے تا کہ یہ دوہری جانچ کر کے اپنا اور ہر تیسرے یا چھٹے مہینہ حاصل ہونے والے نفع کے بارے میں نسبتاً زیادہ صحیح اندازہ ہو سکے گا۔
- انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس کو تنقیح سازوں کی دوران کار تربیت کے کورس شروع کرنے چاہئیں تا کہ انہیں یہ ملکہ حاصل ہو جائے کہ وہ نفع چھپانے کے حسابی حیلوں سے واقف ہو جائیں۔
- انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس کو غیر سودی معیشت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک نئے تنقیحی نظام کو دریافت کرنے کے لیے تحقیق کرنی چاہیے۔ اس پر جو مصارف اٹھیں وہ حکومت اور مالی ادارے دونوں مل کر برداشت کریں۔
- حکومت کو ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دینا چاہیے جو موجودہ کمپنیوں کے قانون، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس، انکم ٹیکس کے قانون اور سیکورٹیز اینڈ ایکسچینج آرڈیننس اور دیگر متعلقہ قوانین کا جائزہ لے اور موجودہ تنقیحی نظام کو غیر سودی بنکاری کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے سفارشات کرے۔ کمیٹی کو یہ بھی طے کرنا چاہیے کہ اگر کسی شخص کے خلاف نفع کو چھپانے کی دانستہ کوشش پکڑی جائے تو اس کے خلاف کس نوعیت کی قانونی کارروائی کس طرح کی جانی چاہیے۔

اب تک ہمارا نظام بنکاری برطانیہ کی روایتی ڈگر پر چل رہا ہے۔ اس رپورٹ میں تجویز کردہ طریقے کے مطابق بنکوں کو چلانا جتنا بڑا انقلابی قدم ہے، کونسل کو اس کا پورا احساس ہے۔ تاہم اگر بین الاقوامی سیاق و سباق دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس مجوزہ نظام کی بعض شکلیں دوسرے ممالک میں کامیابی سے چل رہی ہیں۔ مثال کے طور پر جرمنی کے بنک شروع ہی سے خاص مقدار میں حصہ داری کی سرمایہ کاری اور قرض دہی کر رہے ہیں۔ اس لیے ان کو کل مقصدی بنک کہا جاتا ہے۔ جاپان میں بھی دوسری جنگ عظیم سے پہلے تجارتی بنک باقی ماندہ حصص کی خرید کا کام کرتے تھے۔ جنگ کے بعد بھی یہ بنک اس کاروبار پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ فرانس میں بھی کاروباری بنک حصہ داری کی بنیاد پر سرمایہ کاری کا کام کرتے ہیں۔ ایسے بنک وہاں خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں کئی ممالک میں تجارتی بنکوں نے سرمایہ کاری کے جدید طریقے اختیار کرنا شروع کیے ہیں۔ جیسے پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری اور قرضوں کو حصہ داری کی بنیاد پر منتقل کرنے کے سودے۔

کونسل کو یہ احساس ہے کہ اس نے جو نیا نظام تجویز کیا ہے اس کے تحت بنک اور دوسرے مالی ادارے جس ادارہ کو بھی مالی مدد دیں گے اس کے انتظامی فیصلوں میں دخل اندازی بھی کرنا شروع کر دیں گے۔ بہرحال ایسی مداخلت مالی ادارے موجودہ حالات میں بھی کرتے ہیں جن میں سود پر قرضے دیئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرض کے معاہدہ میں بعض ایسی سخت شرائط رکھی جانے لگی ہیں جیسے مقروض ادارہ کے ڈائریکٹروں میں اپنے ڈائریکٹر کی نامزدگی یا جیسے یہ شرط کہ مقروض ادارہ اپنے نئے سرمایہ حصص کے اجراء سے قبل یا مزید طویل المیعاد قرضوں کے حصول سے قبل یا منافع کے اعلان سے پہلے مالی ادارہ کی اجازت حاصل کرے گا۔ ان معاہدات میں مالی ادارہ کو یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے تنقیح ساز مقرر کریں اور اگر کسی وقت مناسب سمجھیں تو مقروض کمپنی کا نظم و نسق بھی سنبھال لیں۔ مالی ادارے صرف یہی ذمہ داری نہیں لیتے کہ وہ غیر فروخت شدہ حصص خرید لیں گے، بلکہ کاروباری ادارہ سے یہ معاہدہ بھی کرتے ہیں کہ وہ ان سے یہ حصص پھر خرید لیں۔ اس طرح یہ ادارے کفالت ہی نہیں قبول کرتے بلکہ کاروباری ادارہ پر یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ نفع اور کمیشن کی معینہ رقم کی ذمہ داری لیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ بنکوں کا مزاج ان کے عملی ضوابط اور ان کا طریقہ کار سب قومی ترجیحات اور ان مخصوص حالات سے متعین ہوتے ہیں جو ملک میں پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ اور برطانیہ کا معاملہ لیجیے۔ ان دونوں میں ایک طویل عرصے سے سیاسی وابستگی چلی آ رہی ہے۔ خاندانی اور نسلی تعلقات ہیں۔ اس کے باوجود امریکہ میں بنکاری نظام ایک بالکل جدید طرز پر پروان چڑھا ہے۔ کیونکہ وہاں کے مقامی حالات اور معاشرتی طرزِ عمل کا تقاضا یہی ہے۔ پھر وقت کے تقاضوں میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ برطانوی بنکوں نے قلیل المیعاد قرضے دینے کے روایتی طریقہ کو چھوڑ کر دوسری جنگ عظیم کے بعد درمیانی مدت کی سرمایہ کاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں برطانیہ میں نجی بچت کاری کے اداروں جیسے پنشن فنڈ، سرمایہ کاری کے ادارے، بیمہ کمپنیوں وغیرہ نے حصہ داری اور طویل المیعاد سرمایہ کاری میں تقریباً ویسا ہی کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ جیسا کہ جرمنی میں تجارتی بنکوں نے کیا۔ اس قسم کے ادارے برطانیہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں کمپنیوں کے فیصلوں پر بھرپور دباؤ ڈالتے ہیں۔

مختلف ممالک میں بنک اور دوسرے مالی ادارے جن نئے نئے طریقوں سے کام کر رہے ہیں اور اپنے اپنے ملک میں جو کردار انجام دے رہے ہیں اس کے پیشِ نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

کونسل کے تجویز کردہ خطوط پر بنک کاری کی تنظیم تو ایک ایسا تجربہ ہے جس پر کہیں عمل نہیں ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بنک اور مالیاتی اداروں سے سود کا قلع قمع ایک جرأت مندانہ اقدام ہے اور جس طرح ہر جدید نظام کو ابتداء میں مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کو بھی کرنا پڑے گا۔ کونسل کا خیال ہے کہ اگر اس کے مجوزہ طریقہ کار کو ایک بار عملی جامعہ پہنا دیا گیا اور لوگوں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا تو تجربہ اپنے ارتقائی مراحل تیزی سے طے کرے گا اور مسائل اور مشکلات کے عملی حل دریافت ہوتے جائیں گے"[۳۱]۔

(۶) مضاربہ

مضاربہ دراصل وہ مشارکہ ہے جس میں مالک سرمایہ یا مالکان سرمایہ اس شرط پر اپنا سرمایہ کسی کو کاروبار میں لگانے کے لیے دیں کہ نفع ان کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق تقسیم ہوگا اور اگر نقصان ہو تو وہ صرف مالک سرمایہ کا ہوگا اور اس صورت میں کاروبار کرنے والا کسی نفع یا اجرت کا حقدار نہ ہوگا۔ یعنی نفع ہونے کی صورت میں دونوں اپنا اپنا طے شدہ حصہ لیں گے اور نقصان کی صورت میں مالک سرمایہ کا سرمایہ اور کاروبار کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔ گویا مضاربہ ایک ایسا مشارکہ ہے جس میں ایک طرف سے سرمایہ لگایا جائے اور دوسری طرف سے محنت اور مہارت استعمال کی جائے۔ مضاربہ کے ضروری احکام یہ ہیں:

- مضاربہ متعین اور طے شدہ نقد رقم کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ کسی غیر متعین مال و جائیداد یا کسی غیر مادی منفعت کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کسی مکان کے حق رہائش کو مضاربہ کا سرمایہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح کوئی ایسا قرض یا دین (debt) جو ابھی وصول کیا جانا ہو مضاربہ کا سرمایہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔
- مضارب (کاروبار کرنے والا) اور وکیل (ایجنٹ) میں فرق ہے۔ ایجنٹ کی تنخواہ مقرر ہوتی ہے اور وہ اس کو ہر حال میں ملتی ہے، چاہے کاروبار میں نفع ہو یا نقصان۔ لیکن مضارب کا حصہ نفع صرف اسی وقت واجب الاداء ہوگا جب کاروبار میں منافع ہو۔ ورنہ نہیں۔ لہذا مضارب (یعنی مضارب کمپنی) جن لوگوں کو تقرر کرے یا جن سے کاروبار کے سلسلہ میں کام لے وہ مضاربہ کمپنی کے ملازم شمار ہوں گے اور ان کی اجرت مضاربہ کمپنی کو اپنے پاس سے ہر حال میں کرنی ہوگی۔ ایسے ملازمین یا ایجنٹوں کی تنخواہیں مضاربہ کے نفع سے نہیں دی جاسکتیں۔ الا یہ کہ مضارب اپنا نفع وصول کرکے اس میں سے اپنے ملازمین کو تنخواہیں دے۔

- مضاربہ عام (جنرل) بھی ہوسکتا ہے اور خاص (Specific) بھی۔ عام مضاربہ میں مضارب (یعنی مضارب کمپنی) کو حق ہو گا کہ جس کاروبار میں مناسب سمجھے سرمایہ لگائے اور جہاں چاہے کاروبار کرے۔ لیکن خاص مضاربہ میں مضاربہ کمپنی وہی کاروبار کرے گی جس کی اجازت سرمایہ لگانے والوں نے دی ہو۔ خاص مضاربہ میں جگہ، نوعیت اور دورانیہ وغیرہ کی شرائط بھی عائد کی جاسکتی ہیں۔
- مضاربہ میں لگایا جانے والا سرمایہ طے شدہ مقدار اور مالیت کا ہونا ضروری ہے، اس طرح اس کی نقد ادائیگی بھی ضروری ہے۔ لہذا اگر کسی شخص کا کوئی قرضہ مضاربہ کمپنی کے ذمہ واجب الادا ہے تو اس سرمایہ کی بنیاد پر مضاربہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ پہلے قرض وصول کیا جائے اور پھر اس سے مضاربہ کے شیئرز یا سرٹیفیکیٹس خریدے جائیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سرمایہ لگانے والا مضاربہ کمپنی کو اپنے کسی قرض کی وصولیابی کے لیے اپنا ایجنٹ مقرر کر دے اور مضاربہ کمپنی وہ قرض وصول کر کے کاروبار میں لگا لے۔
- اگر کسی شخص کی کوئی رقم بطور امانت کسی کے پاس رکھی ہو تو وہ مالک کی اجازت سے اس رقم کو مضاربہ میں لگا سکتا ہے۔
- سرمایہ کا عملاً کمپنی (یا مضارب) کے حوالہ کر دینا ضروری ہے۔ اگر سرمایہ مالک ہی کے قبضے میں رہے تو مضاربہ درست نہیں ہو گا۔
- نفع کی نسبت (Rati) پہلے سے طے ہونا ضروری ہے کہ کمپنی کو نفع یا آمدنی کا کتنا حصہ ملے گا اور سرمایہ لگانے والے کو کتنا۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ طے کرلیا جائے کہ اگر نفع کی کل رقم اتنی رقم سے زیادہ ہوئی تو فلاں شخص کو مزید اتنے ہزار یا لاکھ روپے ملیں گے۔
- مضاربہ میں ہر وہ شرط کالعدم ہو گی جس کی رو سے مضاربہ کمپنی (مضارب) کل یا جزوی طور پر نقصان برداشت کرنے کا پابند کیا گیا ہو۔ اسی طرح ہر وہ شرط بھی کالعدم ہو گی جس کی رو سے فریقین میں سے کسی کو کسی ایسی چیز کا پابند کیا گیا ہو جس کا مضاربہ سے براہ راست تعلق نہ ہو۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ جو شخص مضاربہ میں سرمایہ لگائے وہ اپنی زمین مضاربہ کمپنی کو بھی لیز پر دے دے تو یہ شرط کالعدم ہو گی۔
- اگر مضاربہ کمپنی نے کوئی ایسا کاروبار کیا جس کی مضاربہ کی بنیادی شرائط کی رو سے اجازت نہ تھی یا کوئی ایسا اقدام کیا جو شرائط کی رو سے اس کو نہیں کرنا چاہیے تو وہ خود اپنے اس عمل کا ذمہ دار ہو گا اور اس عمل کے جو بھی نتائج ہوں گے وہ اس کو خود ہی بھگتنے پڑیں گے۔

- اگر مضاربہ کمپنی کی کسی کوتاہی کے بغیر سرمایہ ڈوب جائے یا کوئی اور نقصان ہو جائے تو مضاربہ کمپنی ذمہ دار نہ ہو گی۔ لہذا ہر وہ شرط کالعدم ہو گی جس کی رو سے سرمایہ کی ہر صورت میں واپسی مضاربہ کمپنی کی ذمہ داری قرار دی گئی ہو۔
- عام یا جنرل مضاربہ میں مضاربہ کمپنی کو ہر وہ اقدام کرنے کا اختیار ہے جو ایک عام ذہن کا سمجھدار انسان تجارت اور کاروبار کو کامیاب بنانے کے لیے کرتا ہے۔ وہ عام خرید و فروخت، نقد یا ادھار، لیز، ٹریڈنگ غرض سب کچھ کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔
- البتہ مضاربہ عام ہو یا خاص، مضاربہ کمپنی سرمایہ کاروں کی اجازت کے بغیر کاروبار کے لیے قرض نہیں لے سکتی اور سرمایہ کاروں کی اجازت کے بغیر جو قرضے لیے جائیں گے یا جو مالی ذمہ داریاں قبول کی جائیں گی ان کو ادا کرنے یا پورے کرنے کے سرمایہ کاران پابند نہیں ہوں گے اور ان کی ادائیگی مضاربہ کمپنی خود کرے گی۔ خلاصہ یہ کہ مضاربہ کے سرمایہ سے زیادہ جو بھی مالی ذمہ داری ہو گی وہ مضاربہ کمپنی کے ذمہ رہے گی۔
- ایک مضاربہ کمپنی مضاربہ کی رقم سے دوسرا ذیلی مضاربہ کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کو ایسا کرنے کی اجازت پہلے سے دے دی گئی ہو۔ (یعنی کمپنی کی بنیادی دستاویزات میں ایسی اجازت کی تصریح موجود ہو) ذیلی مضاربہ میں مضاربہ کمپنی اور ذیلی مضاربہ میں جو نفع تقسیم ہو گا وہ اصلی مضاربہ کے نفع کے اس حصہ میں سے ہو گا جو مضاربہ کمپنی کو اصل مضاربہ سے ملنے والا تھا۔
- مضاربہ کمپنی اپنے ضروری اخراجات مضاربہ کی آمدنی سے وصول کر سکتی ہے۔ ضروری اخراجات سے مراد یہ ہے کہ اس نوعیت اور انداز کے کاروبار کو کامیاب بنانے کے لیے عملاً جو اخراجات ناگزیر ہیں وہ مضاربہ کی آمدنی سے وصول کیے جا سکتے ہیں۔ ناگزیر اخراجات کا تعین بازار کے رواج اور زمانہ کے معروف اور رائج الوقت طریقہ کے مطابق ہو گا [۳۲]۔

مضاربہ کے اس بہت سرسری خاکہ کے مطابق بنکوں اور ان کے ہاں سرمایہ رکھنے والوں کا تعلق آپس میں سرمایہ کار (رب المال) اور مضارب (انٹرپرینیور) کا ہو گا۔ بنک اس رقم کو کاروبار میں لگائے گا اور نفع پہلے سے طے شدہ تناسب کے مطابق سرمایہ رکھنے والوں کو ادا کرے گا۔ اس طرح بنک دوسروں کو بھی کاروبار کے لیے رقم دے سکے گا۔ اس دوسری صورت میں بنک کی حیثیت رب المال کی اور دوسرے کی حیثیت مضارب کی ہو گی اور جو نفع یا آمدنی ہو گی اس میں پہلے اصل سرمایہ کاروں کا حصہ الگ کر کے ان کو دے دیا جائے گا۔ پھر جو حصہ بنک کو ملنے والا تھا

اس میں سے پھر ایک طے شدہ تناسب سے بنک اور دوسرے مضارب کو نفع تقسیم کیا جائے گا۔
اس کے لیے ضروری ہے کہ بنکوں کے طریقہ کار، دستاویزات اور قواعد و ضوابط میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں اور تمام چیزوں کو مذکورہ بالا خاکہ سے ہم آہنگ کیا جائے۔ سطور بالا میں (مشارکہ کے ذیلی عنوان کے تحت) جو کچھ عرض کیا گیا ہے (خاص طور پر اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے اقتباسات) ان سب چیزوں کی یاددہانی مضاربہ کے ذیل میں بھی ضروری ہے۔ دراصل مضاربہ اور مشارکہ کے بہت سے احکام ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان دونوں اداروں پر جن شرعی اصولوں کا انطباق ہوتا ہے وہ ایک ہی ہیں۔

(۷) بیع موجل

لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے بیع موجل سے مراد ادھار فروخت، یعنی ایسی بیع جس میں قیمت بعد میں ادا کی جائے۔ یہ ادائیگی یکمشت بھی ہو سکتی ہے اور بالاقساط بھی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قیمت پہلے سے متعین ہو، ادائیگی کی تاریخ یا مدت متعین ہو اور یہ بھی طے ہو کہ قیمت یکمشت ادا کی جائے گی یا بالاقساط۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہمارے ملک میں بیع موجل اور بیع مرابحہ کے مجموعہ کو مارک اپ کے نام سے اختیار کیا گیا ہے جس کی بعض صورتوں میں بیع سلم کے عناصر بھی شامل ہیں۔ لیکن اس میں اصلی بنیاد بیع موجل ہی ہے لہٰذا ہم مارک اپ کا ذکر بھی بیع موجل ہی کے ضمن میں کریں گے لیکن پہلے بیع موجل کے ضروری شرعی احکام ملاحظہ ہوں:

- بیع موجل کے جائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ فروخت کنندہ فروخت کے وقت اس شے کا مالک ہو جس کو وہ فروخت کر رہا ہے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں ہو۔ قبضہ حقیقی (یعنی فزیکل) بھی ہو سکتا ہے اور حکمی (یعنی کنسٹرکٹو) بھی۔
- بیع موجل میں قیمت کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لیے بائع کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو مشتری کی کوئی چیز رہن رکھ سکتا ہے۔
- بائع اپنے سامان یا جائیداد کو فروخت کرتے وقت نفع کا حقدار صرف اس صورت میں ہو گا جب وہ چیز اس کے ضمان (یعنی رسک) میں ہو۔ جائیداد اگر کسی اور شخص کے ضمان (یعنی رسک) میں ہے تو اس کا نفع لینے کا بائع کو حق نہیں۔
- بیع موجل کے جائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جو سامان یا چیز فروخت کی جا رہی ہے اس کا قبضہ فوراً دے دیا جائے۔ اگر قبضہ بھی بعد میں دیا جانا طے ہو اور قیمت بھی بعد میں ادا

کی جاتی ہو تو ایسی بیع ناجائز ہے اور اس لیے ہے کہ شریعت میں رہن کے عرض میں دین (debt) کی فروخت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے[۴۳]۔

- بیع سلم اور بیع موجل میں مال پہلے دیا جاتا ہے اور قیمت بعد میں وصول کی جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ کوئی ایک چیز (مال یا قیمت نقد ادا کی جائے)۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے میں "بیع موجل" کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ خرید و فروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں شے متعلقہ کی قیمت فوری طور پر ادا کرنے کی بجائے کچھ عرصہ بعد یک مشت یا قسطوں کی صورت میں ادا کی جاتی ہے۔ یہ طریقہ صنعتی اور زرعی شعبوں کے علاوہ اندرونی اور بیرونی تجارت میں سرمائے کی فوری ضروریات کی تکمیل کے لیے بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بوری کھاد کی قیمت بنک کے لیے پچاس روپے ہے، لیکن بنک یہ کھاد سرمائے کے ضرورت مند کسانوں کو اپنے ایجنٹ کی معرفت پچپس روپے فی بوری کے حساب سے فروخت کرے گا اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کی قیمت اس وقت یا اس سے پہلے ادا کردے گا جب کہ ایجنٹ، بنک کے حسب ہدایت، مال کسانوں کو مہیا کردے گا۔ جہاں تک اندرونی اور بیرونی تجارت کا تعلق ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل طریق کار اپنایا جاسکتا ہے، کوئی تجارتی ادارہ کسی ملکی دکاندار یا صنعت کار سے اپنی مطلوبہ چیز خریدنے یا درآمد کرنے کے لیے بنک سے قرض طلب کرتا ہے لیکن بنک اس کے درآمدی بل کی ادائیگی کرنے یا اسے رقم قرض دینے کے بجائے مذکورہ ادارے کے ساتھ معاہدے کے تحت، اس کی مطلوبہ چیز اپنے حساب میں خود خریدتا ہے یا درآمد کرتا ہے اور پہلے سے طے شدہ قیمت پر، جس میں اس شئے کے حقیقی اخراجات کے علاوہ بنک کا جائز منافع بھی شامل ہوگا، ادارہ مذکورہ کے ہاتھ فروخت کردے گا اور ادارہ اس شے کی قیمت بعد میں ایک مقررہ وقت پر ادا کرے گا۔

اگرچہ یہ طریقہ اسلامی شریعت کے مطابق ہے لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ خرید کردہ شے متعلقہ ادارے کے حوالے کیے جانے سے پہلے بنک کے قبضے میں آئے۔ تاہم اس شرط کی تکمیل کے لیے یہی کافی ہے کہ بنک نے جس ادارے سے مال خریدا ہو وہ اس مال کو بنک کے نام پر علیحدہ کردے اور پھر اس شخص کو دے دے جسے بنک نے اس سلسلے میں مجاز و مختار قرار دیا ہو اور اس میں وہ شخص بھی شامل ہوگا جس کے لیے مال خریدا گیا ہو۔

اس طریق کار کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ نسبتاً آسان ہے اور کسی نقصان میں شرکت کا خطرہ مول لیے بغیر بنک مناسب منافع کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ سوائے اس کے مال خریدنے والا

دیوالیہ ہو جائے یا رقم کی ادائیگی میں ناکام رہے۔ اگرچہ اسلامی شریعت کے مطابق سرمایہ کاری کے اس طریقے کا جواز موجود ہے تاہم بلاامتیاز اسے ہر جگہ کام میں لانا دانش مندی سے بعید ہو گا کیونکہ اس کے بے جا استعمال سے خطرہ ہے کہ سودی لین دین کے از سرِ نو رواج کے لیے چور دروازہ کھل جائے گا۔ لہذا ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں کہ یہ طریقہ صرف ان صورتوں میں استعمال ہو جہاں اس کے سوا چارہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ اشیاء کی قیمت خرید پر بنک کے منافع کی شرح کا تعین بڑی احتیاط کے ساتھ کیا جانا چاہیے اور سختی کے ساتھ اس کی نگرانی ہونی چاہیے تاکہ من مانی کارروائیوں اور ایک نئی صورت میں سودی لین دین کے دوبارہ آغاز کے امکان کا سد باب ہو سکے۔ لہذا اسٹیٹ بنک کی جانب سے ایسے ذیلی شعبوں اور اشیاء کی تخصیص و تعین کی جانی چاہیے جن کو "بیع مؤجل" کی صورت میں سرمایہ فراہم کرنے کی اجازت ہو اور وقتاً فوقتاً اس فہرست پر نظر ثانی بھی ہوتی رہنی چاہیے۔ سٹیٹ بنک عمومی حیثیت سے تمام شعبوں کے لیے یکساں یا ہر ذیلی شعبے اور شے کے لیے علیحدہ علیحدہ بنک کے منافع کی زیادہ سے زیادہ حد کا تعین کر سکتا ہے اور ایسی دوسری پابندیاں عائد کر سکتا ہے جو بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے ضروری متصور ہوں[۳۴]۔"

(۸) بیع بالوفاء (Buy Back Agreement)

بیع بالوفاء سے مراد وہ بیع ہے جس میں یہ شرط رکھ لی گئی ہو کہ بیچنے والا اگر قیمت واپس کر دے تو خریدنے والا خریدی ہوئی چیز واپس کر دے گا۔ یہ معاملہ ایک اعتبار سے خرید و فروخت کا اور ایک اعتبار سے رہن کا معاملہ ہے۔ جہاں تک خریدنے والے کا تعلق ہے تو اس کو انتفاع سے متعلق تمام حقوق ملکیت حاصل ہو جاتے ہیں۔ وہ خریدی ہوئی چیز کا ہر طرح استعمال کر سکتا ہے، اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اس کی آمدنی اور منافع کا حقدار ہے لیکن وہ اس کو نہ آگے فروخت کر سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے اور اگر بیع بالوفاء کے ذریعہ کوئی جائیداد غیر منقولہ فروخت کی گئی ہو تو اس میں حق شفعہ بھی جاری نہیں ہو گا۔ بیع بالوفاء کے ضروری احکام درج ذیل ہیں:

- بیع بالوفاء پر رہن کے متعدد احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے خریدنے والا جائیداد کی ذات (کورپس) کا حقیقی مالک نہیں گردانا جاتا، اس لیے کہ بیچنے والا جب چاہے قیمت ادا کر کے اپنی جائیداد واپس چھڑا سکتا ہے۔
- بیع بالوفاء میں نقد بیع بھی ہو سکتی ہے اور بیع مؤجل بھی۔
- بیع بالوفاء میں فریقین اگر چاہیں تو ایک مدت مقرر کر سکتے ہیں جس کے بعد بائع کو جائیداد خرید

لینے اور قیمت ادا کرنے کا اختیار نہ رہے اور جائیداد کی ذات (کورپس) پر مشتری کا مستقل حق مسلمہ ہو جاتا ہے۔

- بیع بالوفاء میں جائیداد سے ہونے والی آمدنی اور منافع مشتری کا حق ہے۔ البتہ اگر فریقین چاہیں تو یہ شرط رکھ سکتے ہیں کہ آمدنی اور منافع ایک خاص نسبت سے فریقین کے مابین تقسیم کیا جائے گا۔
- بیع بالوفاء کے درست ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جائیداد کا قبضہ فوراً ہی مشتری کو دیا جائے۔ اگر قیمت نقد دیدی گئی ہو تو جائیداد کا قبضہ بعد میں دیا جاسکتا ہے۔
- اگر جائیداد کے مالک نے کسی قرض کے عوض قرضدار کے ہاتھ جائیداد بیع بالوفاء کے طور پر فروخت کی ہو تو ایسی بیع تمام تر رہن سمجھی جائے گی اور اس پر مذکورہ بالا احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ کھلی کھلی ربا کی ایک شکل ہے جس میں ایک قرضدار اپنے قرض کے مقابلہ میں اضافی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے[۳۵]۔

مذکورہ بالا احکام کی روشنی میں بیع بالوفاء کو بنکوں کے متعدد معاملات میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ بیع بالوفاء فقہائے کرام کے نزدیک کوئی معیاری اور مثالی نوعیت کا لین دین نہیں ہے بلکہ اس میں کراہت کے متعدد پہلو پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے شروع دور کے فقہاء نے اس کو سد ذریعہ کے اصول کے تحت اس لیے ناجائز قرار دیا کہ اس سے ربا کے دروازے کھل سکتے ہیں لیکن بعد کے فقہاء نے بعض ایسی شرائط کے تحت اس کی اجازت دے دی ہے کہ اگر ان کی پابندی کی جائے تو ربا سے بچا جاسکتا ہے۔

بیع بالوفاء کو چھوٹے قرضوں میں تو بہ سہولت اور بڑے قرضوں میں کسی حد تک اپنایا جاسکتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہوگی کہ فرض کیجیے ایک شخص کو دس لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے اور وہ اس سے مثلاً کوئی انڈسٹری لگانا چاہتا ہے۔ وہ شخص اپنا مکان بیع بالوفاء کے تحت دس لاکھ روپے میں بنک کو فروخت کردے اور دس لاکھ روپیہ لے کر انڈسٹری لگائے۔ اب بنک اس مکان کو کرایہ پر دے دے گا اور کرایہ میں ایک خاص نسبت سے اس کا حصہ اس کو ملتا رہے گا۔ اگر مکان کا کرایہ ماہوار پانچ ہزار روپے ہو تو اس میں سے مثلاً ڈھائی ہزار ماہوار بنک کو اور ڈھائی ہزار انڈسٹری لگانے والے کو ملتے رہیں گے۔ اب فرض کیجیے کہ بیع بالوفاء کے لیے پانچ سال کی مدت رکھی گئی تھی۔ پانچ سال کے بعد انڈسٹری لگانے والا دس لاکھ روپے بنک کو واپس کردے گا اور اپنا مکان واپس لے لے گا۔ اس دوران میں بنک کو مکان کے کرایہ سے جو آمدنی ہوئی وہ اس کی اضافی آمدنی تھی جو اس کو

اس مد سے حاصل ہوئی۔

(۹) بیع سلم

بیع سلم سے مراد لین دین اور خرید و فروخت کا وہ معاہدہ ہے جس میں قیمت یا رقم فوری (نقد) ادا کی جائے اور خریدی گئی چیز بعد میں فراہم کی جائے۔ اگرچہ قواعد شریعت کے لحاظ سے لین دین کی یہ نوعیت درست نہیں ہونی چاہیے اس لیے کہ اس میں ایسی چیز خریدی جارہی ہے جو ابھی موجود ہی نہیں ہے لیکن جائز تجارت کی سہولتیں فراہم کرنے اور لوگوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے شریعت نے اس کی ایک استثنائی صورت کے طور پر جائز قرار دیا ہے۔

بیع سلم کی بنیاد قرآن پاک کی آیت میں بالواسطہ اشارہ اور ایک صریح حدیث رسول ﷺ کے علاوہ سنت تقریری ہے۔ یعنی صحابہ کرام بیع سلم کا کاروبار کرتے تھے اور سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے کلیہ منع نہیں فرمایا بلکہ بعض بنیادی اصلاحات کے بعد اس کی اجازت دی[۳۶]۔ بیع سلم کے ضروری احکام اور شرائط درج ذیل ہیں:

- بیع سلم میں جس چیز، سامان یا مال کی خرید و فروخت کی جائے وہ معلوم متعین اور طے شدہ ہو، یعنی اس کی نوعیت، قسم، مقدار، صفات، خصوصیات، تعداد متعین اور طے شدہ ہو۔
- جو قیمت یا رقم پیشگی وصول کی گئی ہے وہ معلوم اور متعین ہو۔ یاد رہے کہ قیمت کے لیے نقد رقم کا ہونا ضروری نہیں۔ کوئی اور چیز بھی فریقین آپس کی رضامندی سے بطور قیمت طے کرسکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر بارٹر سیل سے بھی بیع سلم ہوسکتی ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ جو چیز بھی بطور قیمت وصول کی جائے وہ ہر اعتبار سے معلوم، متعین اور طے شدہ ہو اور اس کی نوعیت، قسم، مقدار، تعداد، صفات اور خصوصیات وغیرہ میں سے کوئی چیز مبہم نہ ہو۔
- قیمت فوری طور پر ادا کردی گئی ہو۔ اگر قیمت کی ادائیگی بھی ادھار ہو تو یہ بیع ناجائز اور کالعدم ہو گی اس لیے کہ شریعت نے قرض کے بدلہ قرض کی فروخت یا دین (debt) کے بدلہ دین (debt) کے لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ امام مالک اس شرط میں اتنی رعایت دیتے ہیں کہ اگر قیمت کی ادائیگی میں معاہدہ طے پاجانے کے بعد دو تین روز کی تاخیر ہو جائے تو اس کو ادھار ادائیگی نہیں بلکہ نقد ادائیگی ہی سمجھا جائے گا۔
- جن دو چیزوں کا آپس میں تبادلہ کیا جارہا ہے وہ ایک ہی نوعیت اور قسم کی نہ ہوں بلکہ الگ الگ ہوں۔ مثلاً گندم کی خرید و فروخت گندم کے بدلہ میں، یا سونے چاندی کی خرید و

فروخت سونے چاندی کے بدلہ میں نہ ہو۔ اس لیے کہ شریعت نے ایک ہی نوعیت کی چیزوں کو آپس میں ادھار یا کمی بیشی سے خرید و فروخت کرنے کو ربا قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔

- بیع سلم میں جو چیز خریدی جارہی ہے اور بعد میں فراہم کی جائے گی وہ سونا چاندی، کرنسی، روپیہ، سیکیوریٹیز، ڈ بنچرز وغیرہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ یہ سب چیزیں زر کی حیثیت رکھتی ہیں اور اوپر گزر چکا ہے کہ زر کی خرید و فروخت زر کے ساتھ نقد اور برابر سرابر ہونی چاہیے۔
- مال یا سامان کی فراہمی کی حتمی تاریخ اور جگہ کا تعین پہلے ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تم میں سے بیع سلم کرے وہ متعین مقدار، متعین وزن اور متعین مدت کے ساتھ کرے۔ تاریخ کے تعین کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتمی اور واضح ہو۔ کسی غیر متعین یا غیر واضح مدت کی شرط درست نہیں ہے۔ مثلاً یہ طے کرنا درست نہ ہوگا کہ جب فصل کٹے گی تو ادا کر دیں گے۔ بلکہ مہینہ اور تاریخ کے حساب سے مدت کا تعین ضروری ہے۔
- جس مال یا سامان کی فراہمی کا معاہدہ کیا جارہا ہے اس کے بازار میں دستیاب ہونے کا غالب اور قوی امکان ہو اور عام حالات میں مقررہ وقت اور جگہ پر اس کا فراہم کرنا ممکن ہو۔ ورنہ اگر وہ کوئی ایسی چیز ہے جس کی فراہمی کا امکان مدہم ہو یا فراہم کنندہ کی دسترس میں نہ ہو تو اس کی بیع سلم درست نہ ہوگی۔
- بیع سلم کے جواز کے لیے فقہاء احناف نے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ معاہدہ بیع حتمی ہو اور اس میں کسی نظر ثانی یا منسوخی کا امکان نہ ہو۔ بالفاظ دیگر اس میں کسی فریق کو کسی بھی بنیاد پر اسے یکطرفہ طور پر ختم کرنے کا اختیار نہ ہو۔
- سامان یا مال کی فراہمی کی جگہ کا تعین بھی سلم کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اگر واضح جگہ کا تعین نہ ہوسکا ہو یا کسی وجہ سے وہاں سامان کی فراہمی (ڈیلیوری) ممکن نہ رہے تو جس جگہ معاہدہ طے پایا تھا اس جگہ کو فراہمی مال کی طے شدہ جگہ سمجھا جائے گا۔
- بیع سلم میں جس سامان کی فراہمی کا ذمہ لیا جائے وہ کوئی ایسی چیز ہونی چاہیے جس کی نوعیت، اوصاف، مقدار، تعداد اور مالیت کا پہلے سے تعین کیا جاسکتا ہو۔ ایسی چیزیں جن کی مالیت، نوعیت یا اوصاف کا تعین پہلے سے ممکن نہ ہو ان میں بیع سلم درست نہ ہوگی۔ مثلاً نوادرات میں بیع سلم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ نوادرات کے بارے میں پہلے سے ان کی مالیت،

نوعیت اور اوصاف کا اندازہ ممکن نہیں ہے۔

- خریدار جوں ہی قیمت کی ادائیگی کرے گا وہ چیز یا رقم (جو بطور قیمت دی گئی ہے) فوری طور پر بائع کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی اور بائع کو اس میں تصرف کے تمام اختیارات حاصل ہو جائیں گے اور فریقین کی طرف سے کوئی ایسی شرط درست نہیں ہو گی جس کی رو سے بائع کے اس اختیار پر کوئی پابندی عائد کی گئی ہو۔
- بیع سلم میں اگر نقد قیمت موجود نہ ہو اور اس کی ادائیگی فوری طور پر ممکن نہ ہو تو فقہائے احناف اس کی جگہ رہن کی وصولی کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ رہن کی تکمیل اس وقت اور فوری طور پر ہو جائے اور جائیداد مرہونہ کی قیمت بیع سلم میں دی جانے والی قیمت سے کم نہ ہو[۳۷]۔

بیع سلم کے یہ چند موٹے موٹے احکام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ذیل میں بہت سی تفصیلات ہیں جن کی تفصیل پیش کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ بیع سلم کے ذریعہ ہم رائج الوقت تجارتی، پیداواری اور استثماری قرضوں کی بہت سی صورتوں کو شریعت کے مطابق ڈھال کر ان سے سود کی لعنت کو ختم کر سکتے ہیں۔ ذیل میں ہم دو ایک مثالوں سے یہ واضح کرتے ہیں کہ بیع سلم کو تجارتی اور پیداواری اغراض کے لیے رقم کی فراہمی کے لیے کیونکر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایک شخص کسی فیکٹری کا ... مثلاً جوتے بنانے کی فیکٹری کا ... مالک ہے اور اس کو موبلائزیشن کے لیے، یا نئی مشینری درآمد کرنے کے لیے یا کارخانہ میں بعض اصلاحات کے لیے دس لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ وہ بنک یا کسی فائنانس کمپنی یا کسی بھی سرمایہ کاری سے بیع سلم کر سکتا ہے۔ وہ دس لاکھ روپیہ نقد وصول کر کے مطلوبہ مقدار میں مقررہ مدت میں جوتے فراہم کر دے گا۔ اب بنک یا فائنانس کمپنی یا سرمایہ کار اپنے کسی کارندہ کے ذریعہ جوتے بازار میں مناسب نفع سے فروخت کر کے اپنی اصل مع منافع کے وصول کر لے گا۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح بنکوں کو اپنا اصل کام چھوڑ کر تجارت اور ٹریڈنگ کے جھمیلوں میں پڑ جانا پڑے گا جس کے لیے نہ بنک کے پاس افراد کار ہوتے ہیں اور نہ بنکوں کے پاس اس کے لیے ضروری وسائل ہوتے ہیں کہ وہ مثلاً جوتے بازار میں نفع پر فروخت کر سکیں۔ بلاشبہ یہ ایک وزنی اعتراض ہے اور ایک واقعی اور حقیقی مشکل کی نشاندہی کرتا ہے اس مشکل کے دو حل ہو سکتے ہیں:

- اصل اور دیرپا حل تو وہی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا کہ ہمیں اپنے بنکاری کے پورے نظام پر از سر نو غور کر کے اس کو جدید اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہیے کہ وہ پہلے

سے ہمارے ہاں موجود ہے یا مغربی روایات سے ہمیں ورثہ میں ملا ہے۔ اگر شریعت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی ادارہ یا اداروں کی تشکیل نو کرنی پڑے تو ہمیں اس میں تردد سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اگر بنک اپنے موجودہ فرائض کے ساتھ ساتھ ایک ٹریڈنگ ایجنسی کے طور پر بھی کام کریں تو بہت جلد وہ ایک ایسا انتظامی اور مانیٹرنگ انفراسٹرکچر بنالیں گے جس کی مدد سے وہ تجارت کو اسلامی خطوط پر فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

- تاوقتیکہ بنکوں کے ڈھانچہ کی تشکیل نو ہو عارضی طور پر تمام بنک مل کر (بنکرز ایکویٹی یا بنکنگ کونسل کی طرز پر) ایک مشترکہ فورم یا بیورو ایسا بنا سکتے ہیں جہاں ضروری مہارتیں موجود ہوں، تربیت یافتہ افراد کار ہوں اور وہ اپنے رکن بنکوں کے لیے وہ خدمات انجام دیں جو بیع سلم یا دوسرے اسالیب استثمار کی رو سے بنکوں کو کرنا پڑیں۔

(۱۰) عقد استصناع

عقد استصناع بھی بیع سلم ہی سے ملتی چیز ہے بلکہ بیع سلم سے جو مقاصد حاصل کرنا مقصود ہیں ان میں صنعتی قسم کے قرضوں کے باب میں عقد استصناع سے کام لیا جاسکتا ہے۔ البتہ بیع سلم اور عقد استصناع میں فرق یہ ہے کہ عقد استصناع میں احکام شریعت کی پابندیاں اتنی سخت نہیں ہیں جتنی بیع سلم میں ہیں۔ عقد استصناع سے مراد ہے کہ پیشگی یا بروقت قیمت دے کر کسی کاریگر یا صنعتکار سے کوئی چیز بنوانا۔ عقد استصناع کے ضروری احکام یہ ہیں:

- فقہائے احناف کے نزدیک عقد استصناع میں قیمت پیشگی دی جاسکتی ہے اور بروقت بھی اور بعد میں بھی۔
- جو چیز بنوائی یا تیار کرائی جارہی ہو اس کی نوعیت، قسم، مقدار، تعداد قیمت اور دیگر ضروری اوصاف پہلے متعین کرلیے جائیں۔
- بیع سلم کے برعکس عقد استصناع میں سامان کی فراہمی کے لیے وقت کا حتمی تعین نہیں ہے البتہ اگر فریقین بطور خود مدت کا تعین کرلیں تو اس کی پابندی لازمی ہے۔
- جب صنعتکار مال مصنوعہ تیار کر کے اس کا نمونہ آرڈر دینے والے کو دکھادے اور وہ نمونہ مطلوبہ شرائط و اوصاف کے مطابق ہو تو آرڈر دینے والا اس کو قبول کرنے کا پابند ہے۔ اسی طرح جب سارا مال تیار ہو کر آرڈر دینے والے کے مشاہدہ میں آجائے اور وہ اس کے آرڈر کے مطابق ہو تو وہ اس کو قبول کرنے کا پابند ہے[۳۸]۔

اگر بنکوں میں صنعتی لین دین کا ایک شعبہ قائم کر دیا جائے اور وہ ممکنہ (ہول سیل) خریداروں اور صنعتکاروں کے درمیان ایک واسطہ کا کام انجام دے تو وہ فریقین سے ایک معقول سروس کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اور خود نفع نقصان کے چکر میں پڑے بغیر صنعتکاروں کے لیے ممکنہ (ہول سیل) خریداروں سے رقم فراہم کرا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بنک خود کسی صنعتکار سے عقد استصناع کرنا چاہے اور مال تیار کرا کے آگے ہول سیل والوں کو فروخت یا ایکسپورٹ کرے تو اس کو اپنا مناسب نفع وصول کرنے کا بھی حق ہوگا۔ لیکن یہ سارے کام تب ہو سکتے ہیں جب بنکوں کی روایتی ادارتی اور شکلی جکڑ بندیوں کو خیر باد کہہ کر نئے انداز سے ان کی تشکیل کی جائے۔

(۱۱) مزارعہ

اگرچہ مزارعت کے بارے میں بعض اہل علم کو کچھ تحفظات ہیں جن کی بنیاد بعض احادیث ہیں لیکن فقہائے کرام کی غالب اکثریت قوی تر دلائل شرعیہ کی بنیاد پر مزارعت کے جواز کی قائل ہے۔ مزارعت کو جن شرعی بنیادوں پر جائز قرار دیا گیا ہے وہ قریب قریب وہی ہیں جو مضاربت کو جواز فراہم کرتی ہیں۔ اگر مزارعت کے نظام کو ایک نئے انداز سے از سر نو ترتیب دیا جائے تو اس سے زرعی قرضوں کے نظام کو شریعت کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم زرعی قرضوں کے مسئلہ پر گفتگو کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مزارعت کے ضروری احکام اور بنیادی اصول بیان کر دیئے جائیں:

- مزارعت سے مراد زرعی پیداوار حاصل کرنے اور اس سے منافع کمانے کا وہ معاہدہ ہے جس میں مختلف فریق مختلف حیثیتوں سے حصہ لیں اور آمدنی مقررہ تناسب سے سب میں تقسیم ہو۔ اس معاہدہ میں بیک وقت مضاربت، مشارکت اور اجارہ کے احکام (مختلف مرحلوں میں) جاری ہوتے ہیں۔
- معاہدہ کے نتیجے میں جو پیداوار حاصل کی جائے وہ پہلے سے معلوم اور متعین ہو۔
- پیداوار ایک مقرر تناسب سے فریقین میں تقسیم کی جائے اور کسی ایک فریق کو کوئی متعین مقدار یا متعین رقم کی ادائیگی کی شرط نہ رکھی جائے۔
- زمین کا مکمل انتظام، بندوبست اور کنٹرول کام کرنے والے فریق (Enterpreneur) کے سپرد کر دیا جائے اور مالک زمین کا اس میں کوئی عمل دخل نہ رہے۔
- مدت معاہدہ کا تعین پہلے سے کر لیا گیا ہو۔

- زرعی امور سے متعلق کام کے تمام اخراجات فریقین کے ذمہ ہوں گے جو وہ اپنے طے شدہ نفع کے تناسب سے برداشت کریں گے۔ چنانچہ کٹائی، صفائی، پیکنگ اور ٹرانسپورٹ (اگر اس کو فروخت کرنا طے ہوا ہو) کے اخراجات دونوں فریق اپنے اپنے نفع کے تناسب سے ادا کریں گے اور ہر ایسی شرط کالعدم ہو گی جس کی رو سے یہ اخراجات یا ان کی کوئی ایک قسم ساری کی ساری عامل (کام کرنے والے) پر ڈال دی گئی ہو[۳۹]۔

مزارعت کے ادارہ کو زرعی قرضوں کے لیے استعمال کرنے کی غرض سے تین ممکنہ اقدامات کیے جا سکتے ہیں:

- موجودہ بنکوں میں زرعی قرضوں کے شعبے ضروری مہارتوں اور افراد کار کے ساتھ قائم کیے جائیں۔
- زرعی قرضوں کے لیے الگ بنک قائم کیے جائیں
- زرعی قرضوں سے متعلق سارا کام زرعی ترقیاتی بنک کے سپرد کر دیا جائے۔

ان تینوں میں سے جو بھی صورت اختیار کی جائے اس کی عملی شکل اپنے نتائج کے اعتبار سے ایک ہی ہو گی جو ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

جن حضرات کو زرعی کاموں کے لیے قرضے مطلوب ہوں وہ یا تو خود مالکان زمین ہوں گے یا خود مالکان زمین نہیں ہوں گے لیکن کوئی زمین کاشت کرنے سے دلچسپی رکھتے ہوں گے۔ مذکورہ بالا احکام کی رو سے جو حضرات غیر آباد یا کم آباد زمینوں کے مالک ہوں گے وہ اپنا پیداواری یونٹ یا یونٹس بنک کے حوالہ کر دیں گے۔ اب بنک ان پارٹیوں کو جو اس یونٹ یا ان یونٹوں کو آباد کرنے سے دلچسپی رکھتی ہوں بقدر ضرورت رقم فراہم کرے گا جس سے وہ زمین آباد کی جائے گی۔ یہ معاہدہ ایک مقررہ مدت (مثلاً کم از کم پانچ سال) کے لیے ہو گا۔ زمین آباد کرنے کے بعد جو آمدنی ہو گی وہ مقررہ تناسب سے ان تینوں فریقوں یعنی مالکان زمین، آباد کار اور بنک میں تقسیم کر دی جائے گی۔ بنک اپنے حصہ میں آنے والی رقم میں سے ایک مناسب شرح سے اپنے منافع میں ان لوگوں کو بھی شریک کرے گا جن کی رقمیں بنک نے زمینوں کی پیداوار پر لگائی ہوں۔

اس طرح جو حضرات خود مالکان زمین نہ ہوں لیکن کوئی زمین آباد کرنا چاہتے ہوں وہ اپنے سنڈیکیٹ بنا کر آئیں گے اور بنک کو فیزیبلیٹی رپورٹ پیش کر کے رقم حاصل کریں گے اور بنک ان کو رقم بھی فراہم کرے گا اور بنک کے پاس جو پیداواری یونٹ ویٹنگ لسٹ پر ہوں گے ان میں سے مناسب اور موزوں یونٹ اپنے زرعی ماہرین کے مشورہ سے سنڈیکیٹ کے سپرد کر دے

گا۔ اس سارے معاملہ میں فقہی پوزیشن یہ ہو گی بنک اور اس کے بچت دہندگان کا آپس میں تعلق مضاربہ کے احکام کے تحت منضبط ہو گا، جبکہ بقیہ دو صورتوں میں بنک کی حیثیت یا رب الارض (صاحب زمین) کے وکیل یا اجیر کی ہو گی یا العمل (مزارع، کارکن) کے وکیل یا اجیر کی۔ چونکہ شرعاً ایک مزارع آگے کسی دوسرے مزارع کو زمین نہیں دے سکتا اس لیے بنک کی حیثیت مزارع کے مزارع کی نہیں ہو سکتی یا اگر بنک مزارع ہو تو وہ آگے کسی کو مزارعت پر زمین نہیں دے سکتا۔ اس لیے بنک اور دوسری دونوں پارٹیوں کے تعلقات قانون وکالت یا قانون اجارہ کے تحت منضبط ہوں گے۔

چونکہ تقسیم منافع کے اس سارے عمل پر مضاربہ کے احکام جاری ہوں گے اس لیے یہ سب شرکاء نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوں گے اور اگر کسی آفت سماوی یا کسی اور ایسے ہی سبب سے کوئی آمدنی نہ ہو تو کسی فریق کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس عمل کی کامیابی کا دارومدار عامۃ الناس پر اعتماد ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں قرضوں کا مستحق ہمیشہ با اثر اور دولت مند طبقہ کو سمجھا گیا جس کا ریکارڈ قرضوں کی واپسی کے بارے میں افسوسناک بلکہ عبرتناک حد تک غیر حوصلہ افزا رہا ہے۔ اس کے برعکس ایک اندازہ کے مطابق عام آدمیوں کی طرف سے سرکاری قرضوں کی واپسی کی شرح نوے فیصد سے زائد رہی ہے۔ ہمارے ملک میں زرعی شعبہ کی پسماندگی کا ایک اہم سبب سرمایہ کی کمی ہے جو چھوٹے درجہ کے کاشتکار کو میسر نہیں ہے۔

(۱۲) وقف کے اصول کا استعمال صرفی قرضوں کے باب میں

"اسلامی نظام معیشت میں ادارہ وقف نہایت ہی اہم مقام رکھتا ہے۔ اسے قرون اولیٰ میں بکثرت استعمال کیا گیا، اور اس کے تحت عوامی مفاد کے بے شمار ذرائع و وسائل پیدا ہوئے۔ دینی اور تعلیمی اداروں کے لیے اوقاف، باشندوں کو آب رسانی کے لیے کنوؤں اور چشموں کی شکل میں اوقاف، مجاہدین اور مسافروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اوقاف اور اسی طرح یتیموں اور معذوروں کے لیے اوقاف بڑی کثیر تعداد میں قائم ہوتے رہے۔

بالعموم ہمارے دور سلف میں ایسے اوقاف پائے جاتے ہیں کہ افراد نے اپنی املاک کو یا کسی خاص عمارت یا زمین یا کنویں وغیرہ کو خرید کر یا اپنے پاس سے عوام کے استعمال کے لیے وقف کر دیا۔ وقف کا وسیع مفہوم اور اس کی مختلف اشکال کا تعین کرتے ہوئے یہ نظیر بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ عراق اور خیبر کی زمینوں کے لیے بھی وقف کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور حضرت عمرؓ

نے اراضی کو وقف اجتماعی قرار دیتے ہوئے آئندہ نسلوں کے مفاد کو بنائے استدلال بنایا تھا۔ جن بزرگوں نے اس مقام پر وقف کو بہ معنی مجاز لیا ہے وہ بھی اس کی یہ مراد ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے وقف کی آمدنی تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ کم سے کم ایسے مجازی اوقاف آج بھی کارخانوں اور باغات اور ٹرانسپورٹ اور کرائے کی بستیوں کی شکل میں قائم ہوسکتے ہیں۔

اسلام کے اجتماعی املاک (جن کی فہرست آگے مشترک یا اجتماعی ملکیتوں کے سلسلے میں دی جارہی ہے) وہ بھی ایک طرح سے وقف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آج یہ ادارہ نئی پیچیدہ معیشت میں ہمیں کیا کیا کام دے سکتا ہے اور اسے کن نئی شکلوں میں بر سر عمل لایا جاسکتا ہے۔ اس کے متعلق چند صورتیں سامنے آتی ہیں۔

- افراد کے قبضے سے کسی شرعی تقاضے کے تحت جن زرعی اور صنعتی املاک کو نکالا جائے ان میں اگر کچھ افراد کے غصب کردہ حقوق شامل ہوں تو ان کو مستثنیٰ کر کے بقیہ کو وقف اللہ قرار دیا جائے، تاکہ نہ تو کوئی حکمران گروہ ان میں من مانے تصرفات کر سکے اور نہ نیشنلائزیشن کے نام سے ہمارے اندر مارکسزم کو نفوذ کا راستہ مل سکے۔
- غیر ملکی قرضوں سے جو نفع اور اقتصادی ادارے اور کارخانے قائم ہوں، ان کو عوام یا محنت کاروں یا غریب طبقوں کے لیے خدا کے نام پر وقف قرار دینا چاہیے، کیونکہ ان قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری ساری قوم پر عائد ہوتی ہے اور وہ مختلف ٹیکسوں کی صورت میں تمام شہریوں ہی سے صول کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا قومی قرضوں سے جو اجتماعی سرمایہ ہاتھ آتا ہے اس سے صنعتیں قائم کر کے افراد کے ہاتھ فروخت کر دینا صحیح عمل نہیں ہے۔ اس صورت میں عمل ارتکاز کی رفتار بڑھتی ہے اور پچھلے دور میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔
- اس طرح اگر کہیں سے کچھ اقتصادی وسائل (سرمایہ اور مشین وغیرہ بلاقیمت) محض بطور امداد دیئے جائیں تو وہ بھی قانون اموال فے کی روح سے نظام وقف کے تحت لیے جانے چاہئیں تاکہ ان کا افادہ عام ہوسکے۔
- معاون مخفی جن کی برآمد کے لیے سرمایہ، محنت اور کیمیاوی فنی اور مشینی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، ان کے لیے اگرچہ شریعت اسلام میں گنجائش ضرور ہے کہ ان کی برآمد اور صاف کرنے کا کام افراد یا فرموں کی ٹھیکے کے طرز پر یا مقررہ خمس (کل مالیت کا پانچواں حصہ) کے عوض کسی مدت کے لیے تفویض کیا جاسکتا ہے، لیکن دوسری طرف فقہاء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے کہ حکومت مختلف اجتماعی مفاد کے لیے (جس میں دفاع بھی شامل ہے) ان کا

انتظام بطور خود کرے۔ خصوصاً آج کے دور میں پیٹرول، فولاد کے علاوہ یورنیم جیسی معدنیات جیسا معاملہ جب سامنے آتا ہے تو یہی صورت قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ ان کا کاروبار افراد یا فرموں کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ ان کو وقف اللہ قرار دے کر ساری قوم کو ان میں شریک گردانا جائے اور حکومت صرف انتظامی نگرانی رکھے۔

علاوہ ازیں حکومت یا پبلک ادارت چندوں سے فنڈ مہیا کر کے (تعلیمی یا تربیتی یا کفالتی اداروں) کے علاوہ ایسے کارخانے اور کاروبار بھی قائم کر سکتے ہیں جن کی آمدنیاں ساری قوم یا ہسپتالوں کے مریضوں، فوجی معذوروں، بیواؤں، یتیموں، بے روزگاروں، مزدوروں، نادار طلباء وغیرہ میں سے کسی ایک یا زائد عناصر کے لیے مخصوص کر دی جائیں۔ اس مقصد کے لیے انتظامی حیثیتوں کی تشکیل کے لیے مخصوص قوانین وضع کیے جا سکتے ہیں۔

اللہ کے نام پر وقف شدہ ادارت میں جو ماہرین، منتظمین اور مزدور کام کریں گے ان کے اندر بہترین جذبات روبہ عمل آئیں گے۔ انہیں یہ احساس ہو گا کہ وہ خدا کی راہ میں ایک ایسا کام کر رہے ہیں جس سے ہر شہری کو فائدہ پہنچے گا۔

اس قسم کے وقف اداروں کے کام میں ایک دینی تقدس اور فلاح کے لیے جذبہ خدمت کام کرتا ہے، جب کہ اشتراکیت کے فلسفہ کے تحت قومی ملکیت میں چلنے والے ادارے مشینی جبریت کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے انسان کی پوری کی پوری قوت فکر و عمل کو ابھارنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اقتصادی نوعیت کے وقف اداروں (خصوصاً کارخانوں) وغیرہ کے لیے مساجد، مدارس کے مخصص نظام اوقات سے الگ کوئی ہیت انتظامیہ قائم ہونی چاہیے یا اسے اسٹیٹ بنک یا پی آئی ڈی سی کے طرز کے اداروں کی نگرانی میں کام کرنا چاہیے [۴۹]۔"

اصول وقف کی اس اہمیت کے پیش نظر عامہ الناس کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ایسے اوقاف قائم کیے جا سکتے ہیں جہاں سے ضرورت مند لوگوں کو قرض حسنہ دیا جا سکے۔ بلکہ صرفی قرضوں کے علاوہ چھوٹے موٹے تجارتی اور کاروباری قرضے بھی اس مد میں دیئے جا سکتے ہیں۔

یہاں صرف ان بارہ نئے طریقوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ بقیہ آٹھ طریقے عام طور پر مشہور و معروف ہیں اور ان کی تفصیلات الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حواشی

(۱) یہ بات کہ ضروریات دین کا انکار کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ متفق علیہ رہی ہے اور اس موضوع پر لکھنے والے تمام متکلمین اسلام مثلاً امام غزالی، علامہ تفتازانی، عضد الدین ایجی، امام نسفی وغیرہ نے اسی نقطۂ نظر کی تائید کی ہے۔

(۲) ایسے معاہدوں کے مکمل متن کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد حمید اللہ: الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی و الخلافة الراشده، القاهرة ۱۹٤۱ء ص ۸۰ - ۸۳

(۳) سورۃ بقرۃ: ۲۷۵

(۴) اس آیت کریمہ کے نزول کے تاریخی پس منظر کے بارے میں مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی: معالم القرآن، جلد سوم، زیر آیت

(۵) حوالہ بالا

(۶) مثال کے طور دیکھئے: سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد اول، طبع لاہور، ۱۹۸۱ء ص ۲۱۱ - ۲۱۳

مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد اول، طبع کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۵۸۷ - ۵۹۳

مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد اول، طبع لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۶۳۰ - ۶۳۹

(۷) شیخ محمود احمد، سود کی متبادل اساس، شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۰ء، ص ۵۰ - ۵۹

(۸) البقرۃ: ۲۸۰

(۹) الحشر: ۷

(۱۰) مثلاً ملاحظہ ہوں آیات کریمہ (خرچ کرنے کی تلقین و ترغیب کے لیے): فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ البقرۃ: ۲۶۲، ۲۶۱، ۱۹۵، الانفال: ۶۰، الحدید: ۱۰، فی سبیل اللہ کی قید کے بغیر" البقرۃ: ۲۵۴، ۲۶۷، الحدید: ۷، آل عمران: ۱۷، الشوریٰ: ۳۸، حم السجدہ: ۱۶، القصص: ۵۴، الحج: ۳۵، الانفال: ۳، آل عمران: ۱۱۷، ۱۳۴ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کی وہ آیات جہاں فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم ہے تعداد میں بہت کم ہیں بہ نسبت ان آیات کے جہاں مجرد خرچ کرنے کا حکم ہے۔ یہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کا مزاج انفاق ہے، بچت نہیں۔

(۱۱) مثلاً ملاحظہ ہوں آیات کریمہ: التوبہ: ۳۴، ۳۵، الہمزہ: ۲

(۱۲) یہ کلیہ تمام فقہائے اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے اور ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ پر مبنی ہے۔ مختصر

17340

بحث کے لیے ملاحظہ ہو فقہ حنفی کی کتاب: الاشباہ والنظائر، علامہ ابن نجیم، طبع بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۱۵۱-۱۵۲ نیز فقہ شافعی کی کتاب: الاشباہ والنظائر، علامہ جلال الدین السیوطی، طبع بیروت، ۱۹۸۳ء، ص ۱۳۵-۱۳۶ نیز فقہ مالکی کی کتاب: ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک، علامہ ابو العباس ونشریسی، طبع رباط، ۱۹۸۰، ص ۳۰۸-

(۱۳) جائداد کے استعمال اور خرچ کے درمیان فقہی فرق کے لیے دیکھیے مصطفیٰ احمد الزرقاء: الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، جلد سوم، طبع دمشق، ۱۹۶۴ء، ص ۱۶۶-۱۷۰-

(۱۴) اس روایت کے الفاظ اور اس پر بحث کے لیے دیکھیے: امام محمد بن علی الشوکانی، نیل الاوطار، جلد ششم، طبع قاہرہ، ۱۹۷۸ء، ص ۳۴۰-۳۵۰- یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ روایت صحابہ کرام کی بڑی تعداد سے مروی ہے اور متواتر معنوی کے درجہ تک پہنچتی ہے۔

(۱۵) فقہ اسلامی کا قاعدہ کلیہ ہے: **لا مجال للاجتهاد فی مورد النص** جہاں (قرآن و سنت کا) واضح حکم موجود ہو وہاں اجتہاد کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے۔ (مجلہ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۱۴)

(۱۶) حدیث مبارکہ کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو ترمذی: کتاب البیوع: ۱۹، ابوداؤد: کتاب البیوع: ۶۸، نسائی: کتاب البیوع: ۷۱، ۷۲، ۷۶، ۷۷، ابن ماجہ: کتاب التجارات: ۲۰، دارمی: کتاب البیوع: ۲۶، مسند امام احمد، ج ۲، ص ۱۷۵، ۱۷۹، ۲۰۵-

(۱۷) کمرشل انٹرسٹ پر فاضلانہ بحث کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر فضل الرحمن: کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت، علی گڑھ نیز مولانا محمد تقی عثمانی: تجارتی سود: عقل و شرع کی روشنی میں، مشمولہ مسئلہ سود از مفتی محمد شفیع، طبع کراچی، ۱۹۸۸، ص ۱۰۱-۱۴۸-

(۱۸) اسلامی نظریاتی کونسل: مجموعی سفارشات اسلامی نظام معیشت، طبع اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۳ء، ص ۱

(۱۹) حوالہ بالا، ص ۳

(۲۰) حوالہ بالا، ص ۹-۱۰

(۲۱) حوالہ بالا، ص ۱۰

(۲۲) حوالہ بالا، ص ۱۳

(۲۳) آئندہ صفحات میں مختلف متبادل طریقوں کے جو فقہی احکام بیان کیے گئے ہیں وہ حسب ذیل کتابوں سے ماخوذ ہیں:

۱- مجلہ الاحکام العدلیہ
۲- شرح مجلہ الاحکام العدلیہ، مفتی خالد الاتاسی
۳- الفقہ الاسلامی وادلتہ، دکتور وھبہ زحیلی
۴- ردالمحتار، علامہ ابن عابدین شامی

(۲۴) اسلامی نظریاتی کونسل: رپورٹ آف دی کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی آن دی ایلیمینیشن آف انٹرسٹ فرام دی اکانومی، طبع دوم، ۱۹۹۲، ص ۱۰-

(۲۵) بیع مرابحہ کے احکام کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:
۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، دکتور، وھبہ زحیلی، جلد چہارم، طبع دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۴، ص ۷۰۴-۷۱۰
۲- بدائع الصنائع، امام علاؤالدین کاسانی، جلد پنجم، طبع کراچی، ۱۴۰۰ھ، ص ۲۲۰-۲۲۴-
۳- فتح القدیر، علامہ کمال بن ھمام، جلد پنجم، طبع کوئٹہ، ص ۴۵۵، وما بعد
(۲۶) اجارہ کے احکام کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھئیے:
۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد چہارم، ص ۷۲۹-۷۸۲
۲- مجلتہ الاحکام العدلیہ- دفعات ۴۰۴ تا ۶۱۱
۳- شرح مجلتہ الاحکام العدلیہ، مفتی خالد الاتاسی، جلد دوم، طبع کوئٹہ، ۱۴۰۳ھ، ص ۴۷۱-۷۳۰
۴- درر الحکام، علامہ علی حیدر، جلد اول، طبع بیروت و بغداد، ص ۳۷۱-۶۰۹-
(۲۷) ملاحظہ ہو پی جے ایم فائیڈلر (P.J.M. Fidler): پریکٹس اینڈ لاء آف بینکنگ، طبع لندن، ۱۹۸۶ء، ص ۶۱۲-
(۲۸) اسلامی نظریاتی کونسل، بلاسود بنکاری (مذکورہ بالا رپورٹ مذکورہ حاشیہ نمبر ۲۴، کا اردو ترجمہ) طبع اسلام آباد، ۱۹۸۸، ص ۲۲-۲۳
(۲۹) حدیث مبارکہ کے اصل الفاظ ہیں: الربح علی ماشرطا والوضیعۃ علی قدر المالین، یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ قریب قریب تمام فقہاء کے ہاں ملتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھئیے: نصب الرایہ علامہ زیلعی، جلد سوم، ص ۴۷۵
(۳۰) مشارکہ کے ضروری احکام کے بہت جامع خلاصہ کے لیے دیکھئیے: محمد نجات اللہ صدیقی: شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، طبع لاہور، ۱۹۸۱، مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:
۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، وھبہ زحیلی، جلد چہارم، ص ۷۹۲-۸۳۵
۲- الشرکات فی الشریعہ الاسلامیہ، شیخ عبد العزیز الخیاط، دو جلدیں، طبع بیروت، ۱۹۸۸
۳- الشرکات فی الفقہ الاسلامی، علی الخفیف
(۳۱) اسلامی نظریاتی کونسل، بلاسود بنکاری، ص ۲۹-۳۴
(۳۲) مضاربہ کے احکام کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:
۱- محمد نجات اللہ صدیقی: شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، لاہور، ۱۹۸۱ء
۲- وھبہ زحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد چہارم، ص ۸۳۶-۸۷۴
۳- علاؤالدین کاسانی: بدائع الصنائع، جلد ششم، ص ۷۹-۱۱۴
۴- مجلتہ الاحکام العدلیہ، دفعات ۱۴۰۴-۱۴۳۰
۵- شرح مجلتہ الاحکام العدلیہ، خالد الاتاسی، جلد چہارم، ص ۳۲۵-۳۶۹
(۳۳) بیع مؤجل کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھئے:
۱- وھبہ زحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد چہارم، ص ۴۷۶
۲- کمال بن ھمام، فتح القدیر، جلد پنجم، ص ۴۶۸-۴۶۹

(۳۴) اسلامی نظریاتی کونسل: بلاسود بینکاری، ص ۲۴-۲۵

(۳۵) بیع بالوفاء کے احکام کے لیے دیکھئے:

۱- مجلہ الاحکام العدلیہ، دفعات ۳۹۶-۴۰۳

۲- شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ، خالد الاتاسی، جلد دوم، ص ۴۱۴-۴۳۱

۳- درر الحکام، جلد اول، ص ۳۶۴-۳۶۸

۴- رد المحتار، جلد چہارم، ص ۲۴۶-۲۴۷

(۳۶) ان آیات واحادیث کے لیے ملاحظہ ہو سبل السلام: محمد بن اسمٰعیل صنعانی، جلد سوم، طبع قاہرہ، ص ۴۷-۴۸ نیز وھبہ زحیلی: الفقہ الاسلامی و ادلتہ، جلد چہارم، ص ۵۹۷-۵۹۸، نیز علاؤالدین کاسانی: بدائع الصنائع جلد پنجم، ص ۲۰۱

(۳۷) بیع سلم کے مزید تفصیلی احکام کے لیے دیکھئے:

۱- مجلہ الاحکام العدلیہ، دفعات ۱۲۳، ۳۸۰، ۳۸۷

۲- درر الحکام، جلد اول، ص ۳۴۹-۳۵۸

۳- وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد چہارم، ص ۵۹۷-۶۳۰

۴- شرح مجلہ الاحکام العدلیہ، خالد الاتاسی، جلد دوم، ص ۳۸۴-۴۰۰

(۳۸) عقد استصناع کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھئے:

۱- مجلہ الاحکام العدلیہ، دفعات ۱۲۴، ۳۸۸-۳۹۲

۲- شرح مجلہ الاحکام العدلیہ، خالد الاتاسی، جلد دوم، ص ۴۰۰-۴۰۷

۳- درر الحکام، جلد اول، ص ۳۵۸-۳۶۱

۴- الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد چہارم، ص ۶۳۱-۶۳۵

(۳۹) مزارعت کے تفصیلی احکام کے لیے دیکھیے:

۱- اسلام کا نظام اراضی، مولانا مفتی محمد شفیع

۲- اسلام کا زرعی نظام، مولانا محمد تقی امینی، طبع کراچی

۳- مسئلۂ ملکیت زمین، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی

۴- مجلہ الاحکام العدلیہ، دفعات ۱۴۳۱-۱۴۴۰

۵- شرح مجلہ الاحکام العدلیہ، خالد الاتاسی، جلد چہارم، ص ۳۷۰-۳۹۰

۶- درر الحکام، جلد سوم، ص ۴۸۹-۵۰۳

۷- الفقہ الاسلامی وادلتہ دکتور وھبہ زحیلی، جلد پنجم، ص ۶۱۳-۶۲۹

۸- بدائع الصنائع، جلد ششم، ص ۱۷۵-۱۸۴

۹- المبسوط، امام سرخسی، جلد ۲۳

۱۰- فتح القدیر، جلد ہشتم، ص ۳۸۴-۳۹۸

جیسا کہ متن میں عرض کیا گیا، فقہائے کرام کی غالب ترین اکثریت مزارعت کے جواز کی قائل ہے۔ لیکن بعض حضرات نے اس اکثریتی رائے سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ان کے موقف کی بڑی فاضلانہ اور محققانہ ترجمانی ملک کے نامور محقق مولانا محمد طاسین صاحب نے فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب: مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، طبع مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور۔

(٤٠) ماخوذ: موجودہ اقتصادی بحران اور اسلامی حکمت معیشت طبع لاہور، ص ٦٢ - ٦٤

عالم اسلام کو (بشمول پاکستان) معاشی، معاشرتی، سیاسی و نظریاتی، قومی و ملی بقا جیسے اہم چیلنجوں کا سامنا ہے بالخصوص امت مسلمہ کے نظریاتی تشخص کی بحالی اور موجودہ ناکام سیاسی و انتظامی ڈھانچوں کے متبادل نظام کی تشکیل اور قیام --- ان چیلنجوں کا مقابلہ اسلامی نظریاتی دائرہ میں رہتے ہوئے سنجیدہ سوچ و بچار، تحقیق اور جدید سائنسی طرز فکر اپنا کر تخلیقی عمل کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد عالم اسلام کو درپیش اسی چیلنج کا موثر مقابلہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ انسٹی ٹیوٹ ایک آزاد علمی و تحقیقی ادارہ ہے جس کا مقصد مختلف شعبہ ہائے زندگی کے پالیسی مسائل سے متعلق محققین و ماہرین کے مابین بحث و مباحثہ، مکالمہ اور بے لاگ تجزیہ و تحقیق کا اہتمام کرنا ہے تاکہ مملکت کے پالیسی ساز ادارے تحقیق و تجزیہ کے بعد پیش کردہ متبادل تجاویز کی روشنی میں بہتر فیصلے کر سکیں۔ آئی پی ایس کے دائرہ کار میں بین الاقوامی امور، مطالعہ پاکستان، امت مسلمہ کے سیاسی، تعلیمی، معاشی اور سائنس و ٹیکنالوجی سے متعلق مسائل شامل ہیں۔

اسلامی معیشت کے حوالے سے انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع کی جانے والی مطبوعات میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں۔

- Elimination of Riba from the Economy,
  Khurshid Ahmad
- Economic Teachings of Prophet Muhammad *(SAW)*,
  Muhammad Akram Khan
- Islamic Economics: Annotated Sources in English and Urdu
  Muhammad Akram Khan, (Two Volume)
- Money and Banking in Islam, (Vol-I),
- Fiscal Policy and Resource Allocation in Islam, (Vol-II),
  Eds *Dr Ziauddin Ahmed, Dr M. Fahim Khan, Dr Munawar Iqbal*
- Islamic Banking: Conceptual Framework & Practical Operations,
  Abdur Rahim Hamdi
- Islamic Approach to Development (Some Policy Implications),
  Prof Khurshid Ahmad

- بنک کا سود: اقتصادی اور شرعی نقطہ نظر، ڈاکٹر محمد علی القری
- ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل، پروفیسر خورشید احمد
- ربا اور بنک کا سود، ڈاکٹر یوسف قرضاوی
- اسلامی بنکاری: نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات، پروفیسر اوصاف احمد
- جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ڈاکٹر یونس تمیمی، ڈاکٹر احمد محی الدین

۳
غ ا

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد